تصنیفِ لطیف

حُضور فیض ملّت مفسرِ اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو الصالح
مفتی
محمد فیض احمد اویسی رضوی
نور اللّٰہ مرقدہ

www.faizahmedowaisi.com

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَانَبِیَّ بَعۡدَہٗ

وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَوۡلِیَاءِ اُمَّتِہٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ اَجۡمَعِیۡن

فقیر کی اس موضوع پر درجن سے زائد رسائل و ضخیم تصانیف سپُردِ قلم ہیں۔الحمدللہ اکثر شائع شدہ ہیں لیکن افسوس کہ مُعتَد بہ (معقول) نتیجہ برآمد نہیں ہورہا کیونکہ اکثر دیکھا جارہاہے کہ اکثر طُلبائے اسلام کالج کے اسٹوڈنٹ (Student) کی طرح محسوس ہوتے ہیں اِلّاماشاءاللہ تعالیٰ۔لیکن مؤذن کاکام ہے اذان دے نمازی مسجد میں آئیں یانہ آئیں۔یہ تصنیف بھی انہی میں سے ایک ہے۔خدا کرے طالبانِ عُلوم فقیر کی گزارشات پر عمل فرمائیں ورنہ فقیر کا اَجر وثواب تو کہیں نہیں جائے گا۔

مولیٰ عزوجل بطفیل حبیبِ اکرم ﷺ فقیر اور ناشرین کی مساعی (کوششوں کو) قبول فرماکر زادِ راہِ آخرت اور طلبائے اسلام کے لئے مَشعلِ راہ بنائے۔(آمین)

بِجَاہِ حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ الۡاَمِیۡنِ ﷺ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡن

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

۹ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

بروز دوشنبہ شریف

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

امابعد! درس وتدریس نَشر واِشاعت وتَرویج سب سے بہتر اور اعلیٰ شعبہ ہے قرآن مجید واَحادیث میں بہت سے اِرشادات وارِد ہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا: خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡآنَ وَعَلَّمَہٗ [1]

یعنی تم میں بہتر وہ ہے جو پڑھے اور پڑھائے۔

جسے حضور نبی پاک ﷺ بہتر بتائیں اس سے بڑھ کر اور کوئی بہتر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ نے اس کتاب میں اَساتذہ کرام کے فضائل اور ان کے آداب واحکام اور طلبائے اسلام کے لئے ہدایات ودیگر ضروری اُمور لکھ کر اس کا نام " اَلۡمَلَاذُ فِیۡ آدَابِ التِّلۡمِیۡذِ وَالۡاُسۡتَاذِ " رکھا ہے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ

۹ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء

بروز دوشنبہ شریف

[1] (صحیح البخاری، کتاب فضائِلِ، الباب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، 192/6، الحدیث: 5027، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، 1422ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْن

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اپنے دورِ تعلیم میں تین اُمور کو علم کی جان پایا ہے۔

(۱) بہ دل و جان اُستاد کا اِحترام و ادب۔

(۲) تقویٰ اور پرہیزگاری یہاں تک کہ مستحبات کی ادائیگی بھی فرائض کی طرح ہو۔

(۳) محنت کہ تمام آرام و آرائش کو تحصیلِ علم پر قربان کردے۔

دورِ حاضرہ میں تینوں ناپید (معدوم) نہیں تو بہت کم طلبہ میں پائی جاتی ہیں بالخصوص اِحترام و آدابِ اُستاد تو کالمفقود (ناپید) محسوس ہوتی ہیں بہت کم تَلامِذہ (شاگرد) اس دولت سے بَہرہ وَر ہیں اور بس۔

اسی لئے فقیر سب سے پہلے اُستاد مکرَّم کے آداب واِحترام کی چند باتیں عرض کرتا ہے۔

اُستاد اور شاگرد کا رشتہ اور اُستاد کا اِحترام: دورِ حاضرہ میں تو اس رشتہ کی کوئی اہمیت نہیں ہاں اَسلاف رحمھم اللہ استاد اور شاگرد یا مُعَلِّم و مُتَعَلِّم کے الفاظ سنتے ہی ان کے ذہنوں میں رشتوں کا وہ تَقَدُّس، تعلقات کی وہ پاکیزگی اور اِحترام و محبت کے جذبات کی وہ اعلیٰ تصویر بنتی ہے جس کی سزاوار (مستحق) کوئی اور ہستی یا کوئی اور رشتہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا یہ تصویر آج کے اُستاد اور طالبِ علم کو دیکھ کر بھی ذہنوں میں برقرار رہتی ہے؟ شاید نہیں، عصرِ حاضر (موجودہ زمانے) میں اُستاد اور شاگرد کے رشتے میں کیا گرہیں پڑ گئی ہیں ان کی واضح طور پر نشاندہی کریں۔ یہ دیکھیں کہ الجھاؤ کہاں کہاں ہے اور عُقدہ کشائی کی صورت کیا ہے؟ رشتے میں بِگاڑ کیوں پیدا ہوا اور اسے از سرنو (دوبارہ) اِستوار (ہموار) کرنے کی کیا تدبیر کی جاسکتی ہے جہاں ہماری اور بہت سی اَخلاقی اور روحانی قدریں کم ہوگئی ہیں اُستاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے، اَسلاف میں یہ رشتہ جو محبت و تعظیم کا رشتہ تھا، یہ رشتہ جو روحانی رشتہ تھا، کاروباری سطح پر آگیا ہے جب ماحول مادِّیت (جسمیت) سے متاثر ہو تو شاگرد کی مَنطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں، اس لئے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں، میں اُستاد کا رَہینِ منت (احسان مند) نہیں ہوں، اَساتذہ بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ اکثر اَساتذہ (اور یہ میں معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں) اس دور میں علم محض اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ وہ کسبِ مَعاش (روزی کا حُصول) کر سکیں۔ حصولِ علم کے لئے ایک لگن، ایک طلب، ایک پیاس جو ایک طالبِ علم کے اندر ہونی چاہیے (اور اُستاد سب سے بڑھ کر طالبِ علم ہوتا ہے) اَساتذہ میں باقی نہیں رہی۔ جب علم محض کسبِ مَعاش (روزی کے حُصول) کی خاطر حاصل کیا جائے تو وہ قلب وذہن (دل و دماغ) میں گھر نہیں کرتا۔ علم بڑا ہی غَیّور واقع ہوا ہے، وہ ان لوگوں کے سینوں کو کبھی اپنا نشیمن (آماج گاہ) نہیں بناتا جو غیر کی خاطر اس سے رسم وراہ (تعلق) رکھتے ہیں، جب اُستاد محض حصولِ مَعاش کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دَسترَس (مہارت) نہیں ہوتی اور جب مضمون پر دَسترَس نہ ہو تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ لبادے اوڑھے، مصنوعی (بناوٹی) علم وفضیلت کے لبادے میں خود کو چھپاتا ہے کہ کہیں اس کی علمی بدن کے برص کے داغوں پر شاگردوں کی نظر نہ پڑے۔ وہ انہیں فاصلے پر رکھتا ہے طالبِ علم سوال پوچھتے ہیں، اُستاد انہیں دباتا ہے، ان کے ذوق علم و تَجَسُّس (کھوج) کو کچلتا ہے اور رُعب جماتا ہے۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر　　　　　　　کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

جب اُستاد شاگردوں کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہوتی ہیں مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل آپ کے لئے زیبا نہ تھا اور جب ان کے دل میں اُستاد کے لئے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی تو شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فیس ادا کی ہے اور یہ Transaction Business ہے اور میں اُستاد کا رہینِ منت (احسان مند) نہیں ہوں اور اُستاد سمجھتا ہے کہ مجھے اتنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اور اس معیّن مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالبِ علموں کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے　　　　　　　اس کش مکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی ان تمام روحانی پروازیں کھو بیٹھتا ہے۔

اُستاذ کے لئے ارشاداتِ مصطفیٰ ﷺ: حضور نبی پاک ﷺ نے اَساتذہ کے اِحترام میں بہت تاکید فرمائی ہے، مثلاً فرمایا کہ

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا [2]

یعنی جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا ہے اور بڑوں کا اِحترام نہیں کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

انتباہ: طالبِ علموں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اَساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اَساتذہ ان کی ذہنی پرورش کرتے ہیں، وہ ان کے مُحسن ہیں اور اَخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے مُحسن کے سامنے انسان کی نگاہیں جھکی رہیں۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہے اس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے اور اُستاد کا یہ سمجھنا کہ تعلیمی اوقات کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے یہ عادت غیر اسلامی ہے۔ شاگرد ان کی معنوی (روحانی) اولاد ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالبِ علمانہ زندگی میں نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ اُستاد کے دروازے پر دستک دے اور اس سے مشورہ چاہے اور اُستاد کا فرض ہے وہ یوں پُر تپاک اور گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کرے جیسے اپنی اولاد آگئی ہو اور اس کے مسائل سلجھانے کی کوشش کرے۔

آدابِ شاگردانہ: شاگرد کے لئے چند آداب ضروری ہیں انہیں بجالانے سے علمی کامیابی نصیب ہو گی۔

(۱) اُستاد کی مجلس میں جو آداب شاگرد کو ملحوظ رکھنے چاہئیں، وہ آداب بھی اسے مجلس نبوی ہی سے سیکھنے چاہئیں۔ حضور ﷺ اور صحابہ کے تعلق کے جہاں اور کئی پہلو تھے ان میں اُستاد اور شاگرد کا رشتہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ [3] وہ ان کے مُعَلِّم ہیں۔ بارگاہ نبوی ﷺ کے جو آداب قرآن مجید میں مذکور ہیں ان آداب کا تعلق محض مجلس نبوی ﷺ ہی سے تھا کیا اب وہ تمام آیات جو ان آداب سے متعلق ہیں معطل ہو گئی ہیں اور ان کی

---

[2] (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الرحمة، 299/7، الحديث: 4943، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009م)

[3] (پارہ ۲۸، سورۃ الجمعہ، آیت ۲) ﴿**ترجمہ:** اور (حضور ﷺ) انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔﴾

افادیت ختم ہو گئی ہے۔ بڑی ہی خام کاری اور ناپختگی کی بات ہے۔اسلامی طالبِ علم کو اپنے اُستاد کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بھی مجلس نبوی ہی سے سیکھنا چاہیے۔اس اُستاد اکبر ﷺ سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید میں یوں سکھایا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (پارہ۲۶، سورۃالحجرات، اٰیت۲)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو۔

فائدہ: حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے "تفہیمات" میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اُستاد کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا صراحۃً بُرا عمل ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: أنا عبد من علمنی حرفا واحدا [4]

یعنی جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے وہ میرا مُحسِن ہے، میں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے۔

سوال: اس نئے دور میں یہ باتیں بہت پرانی ہو چکی ہیں۔

جواب: آج سے ہزار برس پہلے اگر آگ جلاتی تھی تو آج بھی اس سے جسم جلتا ہے اور اگر زہر آج سے کئی ہزار برس پہلے قاتل تھا تو وہ آج بھی ویسا ہی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ بالکل اسی طرح اَخلاقی اور روحانی قدریں زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیل نہیں ہو جاتیں اور زمانہ کتنا ہی کیوں نہ ترقی کر جائے اَساتذہ کے ساتھ بے ادب کو تو کبھی قابل تحسین قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، بے مروتی اور بدلحاظی کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک　　　دلیل کم نظری قصّہ جدید و قدیم

شفقت و تعظیم باہم لازم و ملزوم ہیں۔ کبھی تعظیم سے شفقت پیدا ہوتی ہے اور کبھی شفقت تعظیم کو جنم دیتی ہے اور شفقت وہ چیز ہے کہ اس سے برف کی سلوں کو تو میں نے اپنی آنکھوں سے پگھلتے ہوئے دیکھا ہے، کچھ شفقت میں بھی کمی آگئی ہے۔اَساتذہ کو دیکھا ہے کہ طالبِ علم کے سلام کا جواب لاپرواہی سے دیتے ہیں اور بعض تو محض سر جھٹکتے ہیں اور زبان سے دو حرف کہنا بھی گراں گزرتا ہے۔یہ اسلامی تعلیمات کے مُنافی (خلاف) ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا (پارہ۵، سورۃالنسآء، اٰیت۸۶)

ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔

اسلامی تہذیب میں تو طالبِ علم کی تربیت کے لئے سلام میں خود پہل کرنے میں بھی کچھ مضائقہ (حرج) نہیں بلکہ عین سنت ہے۔ حضور تاجدارِ مدینہ ﷺ کے بارے میں حدیث میں ہے: كان النبي عليه الصلاة والسلام يسلم على الصبيان [5] (مصنف ابنِ ابی شیبة)

---

[4] (تعليم المتعلم طريق التعلم، فصل في تعظيم العلم واهله، 24/1، الشاملہ)

[5] (شرح سنن الترمذی۔ عبدالكريم الخضير، باب: في كراهة رد السلام غير متوضئ، 29/21،)

یعنی آپ ﷺ بچوں کو خود سلام فرمایا کرتے تھے۔

ہماری درسگاہوں میں طالبِ علم اُستاد کے کمرے میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی یہ سب فرَنگیوں (انگریزوں) کا اڑایا ہوا غُبار ہے۔

دل توڑ گئی ان کا صدیوں کی غلامی　　　　یہ سب مغربی تہذیب کے برگ و بار ہیں

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اَساتذہ کے پاس بیٹھیں جب تک اُستاد شاگرد میں اُنس و موانَست (باہمی محبت) نہ ہو صحیح طور پر اِستفادہ نہیں ہو سکتا۔ اپنے شاگردوں اور عزیزوں کے لئے اَزراہ شفقت کھڑا ہونے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین سنت کا تقاضا ہے کھڑا ہونا ایک تو تعظیماً ہوتا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، " قوموا لسيدكم "[6] یعنی اپنے بزرگ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (صحيح الأدب المفرد للإمام البخاری)

اور ایک کھڑا ہونا ازراہ محبت و شفقت بھی ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حدیث میں ہے:

كانت إذا دَخَلَتْ عليه قام إليها[7] (سنن ابی داود، کتاب الادب)

یعنی جب بھی وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

فُقہاء نے اس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا کہ کھڑا ہونا بھی مستحب ہے تعظیماً ہی نہیں بلکہ شاگرد یا عزیز کے لئے ازراہ شفقت کھڑا ہونا بھی مستحب ہے۔ بزرگوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا بھی اسلامی اَخلاق ہے۔

انتباہ: اُستاد ان کے مُحسِن ہیں وہ ان سے فیض حاصل کرتے ہیں اور اُستاد اپنے مضمون سے وفا کریں اور اس پر دَسترَس حاصل کرنے کے لئے کاوش (کوشش) کریں اور اپنے شاگردوں کے سامنے اپنے اوپر کوئی مصنوعی (بناوٹی) خول چڑھائے بغیر آئیں اور امام مالک علیہ الرحمہ کی طرح لَا أَدْرِيْ[8] (یہ بات میں نہیں جانتا) کہنے میں ان کو کوئی تَامّل نہ ہو تو اُستاد اور شاگرد کے رشتے سے زیادہ جاذبیت (کشش) رکھنے والا کوئی رشتہ نہیں لیکن افسوس کہ جتنا یہ رشتہ دور سابق (ماضی) میں اہمیت رکھتا تھا ہمارے دور میں اس کی اس سے کہیں بڑھ کر بے قدری ہے۔ حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کو خط لکھا تھا کہ اس رشتہ کا آج کے دور میں تَصوّر کرنا عَبث (بیکار) ہے کیونکہ آج اس کی اہمیت کے بجائے بے قدری زیادہ ہے۔

فائدہ: بندیالوی مرحوم نے اپنے دَور میں بڑے بڑے عُلَماء و فضلاء تیار کئے جو پاکستان کے اکثر مدارس میں صدارت و مَسنَدِ حدیث و تدریس میں نمایاں ہیں۔

---

[6] (صحيح الأدب المفرد للإمام البخاری، باب قيام الرجل لأخيه، 352/1، دار الصديق للنشر والتوزيع، الطبعة: الرابعة، 1418 هـ - 1997 م)

[7] (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في قبلة الرجل ولده، 506/7، الحديث: 5217، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009 م)

[8] (الفقيه والمتفقه، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِحْجَامِ، 370/2، دار ابن الجوزي السعودية، الطبعة: الثانية، 1421هـ)

اُستاد کا اِحترام: ہارون رشید کے متعلق آتا ہے کہ ایک دن جب وہ بیٹے کے اُستاد سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اُستاد صاحب پاؤں دھو رہے ہیں اور بیٹا ان کے پاؤں پر لوٹے سے پانی ڈال رہا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اُستاد سے مخاطب ہوئے کہ آپ کو چاہیے تھا کہ اسے کہتے یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوتا۔ [9]

اللہ اللہ یہ ہے اُستاد کی شان اور پھر جس نے اُستاد کی عزت کی اس کے اَحکام کو مانا ان کی نصیحتوں کو مد نظر رکھا جس کام کا حکم ملا اسے شوق سے سرانجام دیا اور جس کام سے اُستاد نے منع کیا اس سے رک گیا۔ دنیائے عزت و شُہرت میں چاند کی طرح چمکا۔

★ حضرت امام ابو حنیفہ جو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور ہیں ایک دن مدرسے میں تشریف فرما تھے شاگرد بیٹھے ہوئے تھے سلسلہ درس وتدریس جاری تھا نجانے کیا خیال آیا کہ حکم دیا ایک اونٹ لایا جائے۔ جب اونٹ آگیا شاگردوں سے فرمایا کہ اسے کوٹھے (چھت) پر پہنچادو عجیب وغریب حکم سن کر طُلباء ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے بھلا اونٹ چھت پر کیسے چڑھ سکتا ہے سب سوچتے رہے۔ لیکن دو طالبِ علم جن میں ایک کا نام یوسف اور دوسرے کا نام محمد ہے آگے بڑھے اونٹ کو رسیوں سے باندھ کر کھینچنا شروع کر دیا حضرت امام علیہ الرحمۃ نے دیکھا تو فرمایا بس اب چھوڑ دو اونٹ کو چھت پر چڑھانا مقصود نہ تھا بلکہ میں تمہاری فرمانبرداری کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ شاباش ہے تمہاری ہمت پر اور آفرین (تحسین کا کلمہ) ہے اس اطاعت اور فرمانبرداری پر، اللہ تعالیٰ تمہیں اس اطاعت وفرمانبرداری کے بدلے میں علم وعزت عطا فرمائے اور پھر اُستاد کی دُعا قبول ہوگئی اور آج دنیا ان طالبِ علموں کو امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

★ حضرت علامہ اقبال اپنے اَساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے آپ جب اسکول سے واپس آتے تو کھانا کھانے کے بعد سیدھے اپنے اُستاد مولانا میر حسن کے گھر تشریف لے جاتے وہاں ان سے تعلیم بھی حاصل کرتے اور ان کا ذاتی کام بھی کرتے، جب میر حسن صاحب انہیں روکتے تو علامہ کہتے، کیا آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتے، وہ علامہ اقبال مولانا میر حسن اور دیگر اَساتذہ کو اپنے والدین کے برابر سمجھتے تھے۔

جب انگریزوں نے آپ کو "سر" کا خطاب دینے کا فیصلہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے اُستاد کو خطاب نہ دیا جائے میں اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں اور پھر مولانا میر حسن کو شمس العُلَماء کا خطاب ملا تو آپ نے سر کا خطاب قبول کیا۔

آپ کے ایک مُشفِق اُستاد پروفیسر ارنلڈ (Arnold) تھے آپ پروفیسر صاحب سے بہت محبت کرتے تھے جب پروفیسر صاحب ہندوستان سے انگلستان جانے لگے تو آپ نے بے ساختہ (بے اختیار) فرمایا:

کھول دے گا دشتِ وحشت عقدہ تقریر کو　　توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو　　(اقبال)

چنانچہ آپ نے انگلستان کے لئے رختِ سفر باندھا اور وہاں کافی عرصہ تک پروفیسر صاحب کے زیرِ سایہ رہے۔

---

[9] (تعلیم المتعلم طریق التعلم، فصل فی تعظیم العلم و اھلہ، 28/1، الشاملہ)

تاریخ ایسے کتنے ہی واقعات سے مالا مال ہے۔پس اگر ہم زندگی کی ہر منزل پر کامیابی کے خواہاں(متمنی) ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اَساتذہ کرام کی جان ودل سے عزت کریں۔وہ جس کام کا حکم دیں اسے دلی شوق اور خوش اُسلوبی سے سرانجام دیں۔اَساتذہ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں بھی ان کا دلی طور پر اِحترام کریں۔اور زبان سے ایسا کوئی لفظ نہ نکالیں جس سے بے ادبی اور گستاخی کا اظہار ہوتا ہو یا ان کے دل کو ٹھیس پہنچے۔اَساتذہ کی آواز اور حرکات وسکنات کی نقل اتارنے والے،ان کے عیب تلاش کرنے والے دنیا میں کبھی بھی عزت کی زندگی نہیں گذار سکتے۔سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ طالبِ علم وہ ہے جو ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اُستاد کی جانب دھیان رکھے اس کی ہر بات غور سے سنے ان کے سامنے کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ ہی کسی اور آدمی سے بات کرے،اُستاد کا دل وجان سے ادب کرے اور ان کی جانب پاؤں پھیلا کر نہ سوئے۔اُستاد کے اِحترام کا اندازہ اس مسئلہ فقہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سبق شروع کرتے وقت اس کے سامنے تعوّذ نہ پڑھے بلکہ بسم اللہ پڑھ کر سبق کا آغاز کرے۔

جوراستاذبه زهرپدر:دورِ سابق میں استاذ کا درجہ بادشاہوں سے بڑھ کر تھا لیکن آج گھٹیا طبقہ ہے تو استاذ۔فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے "العسل اللذيز فی آداب التلميذ" یہاں ضروری باتیں عرض کی جائیں گی۔

دورانِ تعلیم طالبِ علم ایک ایسے راستہ پر ہے کہ اس نے پہلے دیکھا بھی نہیں چہ جائیکہ اس پر چلا ہو اور اسے یوں سمجھئے کہ

دریں ورطه کشتی فروشد ہزار　　　　که پیدا نه شد تخته برکنا ر

بڑے سمجھ دار، عقلمند،ذی ہوش علم سے محروم رہ گئے اور کئی مجھ جیسے بیکار۔عقلاً کمزور مقصد اس کی وجہ وہی ہے جو صاحبِ ہدایہ نے اپنے زمانہ کے متعلق فرمایا کہ

كان طلبة العلم فى الزمان الأول يفوضون أمرهم فى التعلم إلى اساتذهم ، وكانوا يصلون إلى مقصودهم ومرادهم ، والآن يختارون بأنفسهم ، فلا يحصل مقصودهم من العلم والفقه. [10]

(تعليم المتعلم طريق التعلم ، الصفحة۸، دار المعرفة)

یعنی سابق دور کے طُلباءِ اکرام ایسے تھے جو اپنی تعلیم کے اُمور اُستاذ صاحب کی رائے پر چھوڑتے جو اپنے مقصود کو پا بھی لیتے تھے اور آج کل وہ ہیں جو اپنی رائے زنی کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علمی دولت سے محروم ہیں۔

ان کا دور پھر بھی اچھا تھا جس زمانہ میں ہم گزار رہے ہیں نا معلوم کتنا تغیُّر(ردوبدل) ہوا ہو گا آج صاحبِ ہدایہ زندہ ہوتے تو طلبہ کرام کی حالت زار دیکھ کر خوب آنسو بہاتے۔

---

[10] (تعليم المتعلم طريق التعلم ، 31/1، الشاملہ)

اپنی مرضی پہ چلنے والے طلبا تو بکثرت ملیں گے لیکن اپنی رضا کا مرکز اپنے اُستاد صاحب کو بنانے والے بہت تھوڑے بلکہ اب تو ناپید بلکہ انجانے والے بِسیار (متعدد) سابق زمانہ میں ہر حیثیت سے رضائے استاذ کو ترجیح دی جاتی رہی یہی وجہ ہے کہ سابق دور کے عُلَماء ومشائخ جیسا آج ایک فرد بھی نہیں مل سکتا۔

حکایت بخاری: امام بخاری علیہ الرحمہ کی علمی شُہرت اور قدر و منزلت سے طُلباء خوب واقف ہیں، جب امام محمد بن حسن (جو امام ربانی (از ائمہ احناف) کے نام سے مشہور ہیں) کی خدمت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوئے تو آپ کی طبیعت کو استاذ مکرّم نے دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ بخاری تم بجائے فقہ، حدیث کا فن سیکھو۔ باادب شاگرد باادب سر جھکاتے ہوئے فقہ چھوڑ کر حدیث شریف پڑھنے لگ گئے۔ امام زرنوجی فرماتے ہیں کہ یہ اُستاد صاحب کے فرمان پر چلنے کی برکت ہے کہ آج امام بخاری کی لکھی ہوئی کتاب قرآن مجید کے بعد اوّل درجہ رکھتی ہے۔[11]

فائدہ: طُلباءِ کرام اس نکتہ کو سمجھ لیں تو کوئی بعید (دور کی) بات نہیں کہ وہ اپنے دور کے مُقتدا (پیشوا) بن جائیں۔

علامہ کاظمی علیہ الرحمة: حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے پڑھا کچھ نہیں البتہ اپنے استاذ کریم کی فرمانبرداری کی۔

اُویسی غفرلہٗ: اُویسی کو علمی رنگ نہیں چڑھا لیکن لوگ علم والا سمجھتے ہیں اگر فی الواقع صحیح ہے تو یہ بھی استاذ المکرّم کا کرم ہے کہ انہوں نے ابواب الصرف کے بعد محدثین کے قوانین پڑھا کر هداية النحو ، شرح مائة عامل شروع کرادی اور وہ بھی اسی طرح چند اور کُتب بھی ایسی رہیں۔ پہلے تو طبیعت پر اِنقِباض (سکڑنا، طبیعت کی رکاوٹ) رہا۔ مگر حقیقت ہے کہ یہ ناکارہ اپنے استاذ مُعظّم کو پیر و مرشد سمجھتا تھا، ان کے فرمان کو نہ صرف دل و جان میں جگہ دی، پھر فضل ایزدی ہوا کہ اگرچہ آتا جاتا کچھ نہیں، بعدِ فراغت اچھے قابل اَحباب زیر تعلیم ہوئے اور اسی فن کی متعدد کتابیں پڑھیں یہ سب کچھ فضل ایزدی و توجہ نبوی و دعائے استاذی کا نتیجہ ہے۔

ہر کارے را استادے: علم ہو یا کوئی فن، اُستاد کے بغیر اس کا سیکھنا مشکل بلکہ محال ہے، اس لئے داناؤں کا کہنا ہے کہ اُستاد کے بغیر ہر کام "کارِ بے بنیاد" کی حیثیت رکھتا ہے۔ فارسی کا مقولہ مشہور ہے کہ

ہر کارے را اُستاد ے۔

تحصیلِ علم فرض: اسلام نے تحصیلِ علم کو ہر مرد وزَن کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ ابنِ ماجہ کی حدیث طلب العلم فريضة على كل مسلم ،[12] اس کی شاہد ہے۔ یہ اہم فریضہ بھی کسی اُستاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا جہاں طلب علم پر زور دیا گیا ہے وہاں علم سکھانے والے اُستاد کا مقام بھی اسلام نے مُتعیّن کیا۔ (سنن ابنِ ماجه، كتاب المقدمة، باب فضل العُلَماء والحث على طلب العلم)

قول: ایک مشہور قول ہے: "الآباء ثلاث من ولدک ومن زوجک ومن علّمک وخیر الآباء من علمک او کما قال"[13]

---

[11] (تعليم المتعلم طريق التعلم، فصل فى تعظيم العلم واهله، 31/1، الشامله)

[12] (سنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، 81/1، الحديث224، دار إحياء الكتب العربية)

[13] تفسیر آلوسی میں ان الفاظوں کے ساتھ موجود ہے: الآباء ثلاثة من علمك ومن زوجك ومن ولدك.

یعنی دنیامیں تمہارے تین باپ ہیں، ایک وہ جو تمہاری پیدائش کا سبب ہے، دوسرا وہ جس نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دی، تیسرا وہ جس سے تم نے دولتِ علم حاصل کی اوران میں بہترین باپ تمہارا "اُستاد" ہے۔

معلوم ہوا کہ اُستاد بمنزلہ باپ کے ہے اوراس کی تعظیم وتکریم از حد ضروری ہے جس طرح خدا کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں اور خدا کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

ہمارے اَسلاف کے دلوں میں اُستاد کی بہت قدر تھی یہی سبب ہے کہ وہ دولتِ علم کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے میں کامیاب ہوئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی کے دل میں اُستاد کی جتنی زیادہ عزت وتوقیر ہوتی ہے اتنا ہی وہ دولتِ علم سے زیادہ بہرہ وَر ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر ہم نے ایک واقعہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا عرض کیااورمزید مطالعہ کا شوق ہو تو فقیر کی کتاب "العسل اللذیذ فی آداب التلمیذ" پڑھیئے۔

اُستاد کا ادب شاھوں کی نگاھوں میں: ہارون الرشید بغداد میں عبّاسیہ خاندان کا مسلمانوں کا ایک بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے۔اس بادشاہ کو علم سے بہت محبت تھی، وہ خود بھی عالم تھااور عُلَماء کا بھی بہت ادب واِحترام کرتا تھا۔اس نیک دل بادشاہ کے دو شہزادے تھے، ایک شہزادے کا نام امین اور دوسرے شہزادے کا نام مامون تھا۔ بادشاہ نے دونوں شہزادے علم حاصل کرنے کے لئے ایک عالم کے حوالے کئے تھے، دونوں بھائی روزانہ بلاناغہ اپنے اُستاد سے سبق پڑھ کر واپس آجاتے تھے، ایک دن دونوں بھائیوں میں اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ اُستاد کے جوتے کون سیدھے کرے، امین چاہتا تھا کہ اُستاد کے جوتے میں سیدھے کروں، مامون چاہتا تھا کہ یہ شرف مجھے نصیب ہو۔

اُستاد نے دونوں شہزادوں کو جھگڑتے دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور پوچھا تم کیوں جھگڑتے ہو؟ دونوں نے اپنے جھگڑے کی وجہ بتائی۔اُستاد نے دونوں شہزادوں کو یہ فیصلہ سنایا کہ ایک جوتے کو ایک شہزادہ درست کرے یعنی سیدھا کرے اور دوسرے جوتے کو دوسرا شہزادہ سیدھا کرے۔ چنانچہ دونوں شہزادے اُستاد کے اس فیصلے پر خوش ہو گئے اوران کی لڑائی ختم ہو گئی۔

سبق پڑھ کر دونوں شہزادے اپنے محل میں چلے گئے اوراپنے باپ ہارون الرشید کو اس لڑائی کی کہانی سنائی ہارون الرشید نے یہ کہانی سنی تو شہزادوں کے اُستاد کو دربار میں بلایا، جب اُستاد دربار میں ہارون الرشید کے سامنے گئے تو انہیں ڈر ہوا کہ کہیں بادشاہ میرے فیصلے سے ناراض نہ ہو گیا ہو ورنہ میری خیر نہیں۔ بادشاہ نے شہزادوں کے اُستاد سے پوچھا اس وقت دنیامیں سب سے عزت والا کون ہے؟

(تفسیر روح المعاني، سورة الضحی، الآیات 1 إلی 11، 382/15، دار الکتب العلمیة –بیروت، الطبعة: الأولی، 1415 ھ)

استاد نے کہا بادشاہ سلامت اس وقت آپ کی عزت سے بڑھ کر کس کی عزت ہو سکتی ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ درست نہیں بلکہ مجھ سے بڑھ کر وہ شخص عزت والا ہے جس کے جوتے سیدھے کرنے کے لئے شہزادے آپس میں لڑتے ہیں۔[14]

فائدہ: اتنا بڑا بادشاہ جس کی حکومت ۲۲ لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ دور تک پھیلی ہوئی تھی وہ بھی اپنے آپ کو علم والے (یعنی اُستاد) سے کم عزت والا سمجھتا ہے۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللّٰہ تعالی عنھم کی طالبِ علمی: حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضور سرورِ عالم ﷺ کا وصال ہوا تو میں ایک انصاری دوست کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ ابھی الحمد للہ بڑے بڑے صحابہ کرام موجود ہیں چاہیے کہ ان سے علم حاصل کریں۔ ورنہ اُن کے بعد ہم سے لوگ مسائل پوچھیں گے اور ہمیں علم نہ ہو گا تو مشکل ہو گی۔ انصاری دوست پر تَواضُع (عاجزی) کا غلبہ تھا انہوں نے کہا کہ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آسکتا ہے کہ لوگوں کو ہماری ضرورت پڑے۔ ابنِ عبّاس فرماتے ہیں کہ اُن کے یہ کلمات سن کر میں نے اُن کو تو اُن کے حال پر چھوڑ دیا اور خود طلبِ علم کے لئے کمربستہ ہو گیا اور جس صحابی کے بارے میں بھی مجھے معلوم ہوتا کہ اُن کے پاس کچھ حدیث کا علم ہے تو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کو حاصل کرتا۔

بعض اوقات مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں بزرگ حدیث کی روایت کرتے ہیں تو میں اُن کے دروازے پر حاضر ہوتا۔ معلوم ہوتا کہ وہ قیلولہ (آرام) فرما رہے ہیں تو دروازے پر ہی اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتا تھا ہوا سے تمام گرد و غُبار میرے چہرے اور کپڑوں کو لگ جاتا تھا یہاں تک کہ وہ بزرگ باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر حیران ہو کر فرماتے اے رسول اللہ ﷺ کے بھتیجے! آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ آپ کوئی آدمی بھیج کر مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو جاتا۔ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے کہ نہیں میں علمِ حدیث کے لئے آیا ہوں، یہ میرے بھی ذمہ تھا کہ خود حاضر ہوں۔

ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے خاندانی اعزاز اور حضور ﷺ کی قَرابت اور عنایات سے حاصل شدہ عزت کو طلبِ علم کے راستے میں اس طرح نظر انداز کر دیا کہ عاجزانہ اور عامیانہ انداز میں دربدر پھر کر علم حاصل کیا۔[15] (طبقات ابن سعد)

گویا علم ایسی عزت ہے کہ اس میں ذلت کا نام نہیں مگر حاصل ایسی ذلت اور مشقت سے ہوتا ہے کہ اس میں عزت کا نام نہیں۔ اسی والہانہ جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعتِ صحابہ میں آپ کا لقب "حِبرُ الاُمَّت" پڑا۔

نوٹ: خَوّاص حضرات مثلاً صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین اور اولیائے کاملین وعلمائے راسخین کو مستثنیٰ کر کے عوام کا عام شیوہ ہے کہ کسی شے کی قدر اس وقت سمجھتے ہیں جب اہلِ دنیا میں سے اونچے طبقے کے لوگ اس کی قدر کریں۔ اب چونکہ اسلامی علوم کی قدر کرنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے، اگر کچھ ہیں تو کالمعدوم (نا ہونے کی طرح) اسی لئے اَساتذہ کی قدر و منزلت گھٹ گئی۔ چند نمونے (مثالیں) قدردان بادشاہوں کی حکایات کے ملاحظہ ہوں۔

---

[14] (كتاب النوادر.. مئات المواقف الذكية والنوادر العربية، 85/1،)

[15] (الطبقات الكبرى، ابن عباس رضي الله عنهما، 281/2، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى، 1410 هـ 1990 م)

سلف صالحین:★علامہ سید میر شریف خود مصنف "شرح مطالع" سے پڑھنے کے لئے ہرات پہنچے وہ بوڑھے تھے انہوں نے بڑھاپے کا عذر کر کے اپنے شاگرد مُلّا مبارک کی خدمت میں قاہرہ (مصر) بھیج دیا۔[16] (الفوائد البهيه)

★اسکندریہ کے شیخ برہان الدین کے تین بھائی تعلیم کے لئے ایک سندھ میں، دوسرا ہند میں، تیسرا چین میں تھا۔[17] (رحلة ابنِ بطوطه)

اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں اور زمانہ حال کے طُلباء اس کے قائل ہیں دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔

★سلف صالحین کا علم کو پیدل چل کر حاصل کرنا۔اور اُس وقت سفر بھی آسان نہ تھے، جب گھر سے باہر نکلتے تو جان پر کھیل کر، سلف صالحین بھوک میں زندگی بسر کرتے اور سوکھے ٹکڑے کھاتے اگر کچھ نہ ملتا تو صابر و شاکر رہتے۔

ہمارا زمانہ:★ہزاروں کی تعداد میں مدارس عربیہ کھلے ہوئے ہیں، اور مؤلف بھی زیادہ وہ مدرسے لکھے جو اس کے اپنے مسلک (دیوبندیت) کے تھے اور اگر بنظر غائر (گہری نظر سے) دیکھا جائے یا کوئی سائل چل کر دیکھ لے کہ مدرسہ عربیہ کی تعداد کتنی ہیں۔

★گاڑی، بسیں، سائیکل و دیگر سواریاں جن کا شمار مشکل ہے۔

★ہمارے زمانے میں ہمارے لئے بہترین انتظام ہے کوئی بدنصیب مدرسہ ہوگا جس میں طُلباء کو بھوک ہو ورنہ زمانہ حال میں کسی مدرسہ میں بھوک کی شکایت نہیں ہوگی۔

اس موضوع پر دل چاہتا ہے کہ چند حکایات پیش کروں تاکہ اطمینانِ قلب نصیب ہو۔

حکایت ۱: حافظ الحدیث حجاج بغدادی جب علم حاصل کرنے جانے لگے تو مہربان ماں نے چند روٹیاں پکا کر تھیلے میں رکھ دیں تاکہ بیٹا دلجمعی سے علم حاصل کرے۔اب روٹی تو ہے لیکن سالن کہاں سے لائے، سوچ کر خود تجویز بنائی کہ بغداد کے قرب میں جو دَجلہ موجزن (جوش مارتا ہوا) ہے اس کا پانی اپنے لئے سالن ہے۔ایک روٹی تھیلے سے نکال کر دَجلہ کے پانی سے تر کر کے بڑے مزے سے کھاتے اور تعلیم میں لگے رہے۔[18] (تذکرہ)

حکایت ۲: شیخ الاسلام بقی بن مخلد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں ایک ایسے طالبِ علم کو جانتا ہوں کہ جس پر طالبِ علمی میں اتنا سخت زمانہ گذرتا تھا کہ بھوک سے چقندر کے پتے کھاتے تھے۔[19] (تذکرہ)

---

[16] (مفتاح السعادة ومصباح السيادة في موضوعات العلوم، الباب علم المنطق، 275/1، دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة: الأولى 1405 هـ 1985م)

[17] (رحلة ابن بطوطة، مدينة الإسكندرية، ابوابها مرساها، 15/1، دار الشرق العربي)

[18] (تذكرة الحفاظ، الطبقة التاسعة، 100/2، دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة: الأولى، 1419هـ 1998م)

[19] (تذكرة الحفاظ، الطبقة العاشرة، 152/2، دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة: الأولى، 1419هـ 1998م)

حکایت ۳: امام بخاری علیہ الرحمہ سے کون واقف نہیں وہ طلبِ علم کے سفر میں تین دن متواتر (مسلسل) کھانا نہ ملنے پر جنگل کی بوٹیاں کھاتے۔[20]

(مقدمہ شرح بخاری)

حکایت ۴: شیخ الفُقَہاء امام برقانی علیہ الرحمہ جب اسفرائن پڑھنے گئے تو ان کے پاس تین اشرفیاں اور ایک درہم تھا سوءِ اتفاق (بدنصیبی) سے اشرفیاں راہ میں گم ہو گئیں باقی صرف ایک درہم تھا۔ اسفرائن پہنچ کر ایک نانبائی (روٹی بیچنے والے) کے یہاں جمع کرادیا۔ ہر روز اس سے دو روٹیاں لے لیتے تھے، ایک کتاب نقل کرنی تھی تین جز نقل کر لئے تو درہم ختم ہو گیا مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔[21] (تذکرہ)

اگلے زمانہ میں بھی چپہ چپہ پر مدارس عربیہ تھے: مولانا آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ (مولانا غلام علی بلگرامی کی کتاب "مآثر الکرام" فارسی زبان میں نہایت معتبر کتاب ہے مجھے چند روز مطالعہ کے لئے سنٹرل لائبریری سے دستیاب ہوئی) **"مآثر الکرام"** میں فرماتے ہیں کہ ہند کے صرف ایک حصّہ پورب (مشرق) کا حال تھا کہ

"به فاصله ہنج کردہ نہایت دہ کروہ تخمیناً آبادی شرفاء نجباء است کہ از سلاطین وحکام وظائف وزمین مدد معاش داشته رند و مساجدومدارس وخانقاہات بنا نہادہ مُدرِّس ان عصر درہر جا ابواب علم براوئے دانش پژدہان کشادہ وصدائے اطلبو العلم درداد۔"

یعنی زمینداروں اور امیروں اور حکومت کی فراخدلی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے طلبائے اسلام کے لئے حسبِ وُسعت امدادی فنڈ (Fund) تیار رکھے چنانچہ **مآثر الکرام** میں فرمایا:

"صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ می دارند وخدمت این جماعت راسعادت عظمیٰ می دانند۔" (مآثر الکرام، صفحہ ۲۲۲)

اور طلبہ کرام بھی شوقِ علم میں دور و نزدیک سے جمع ہو جاتے چنانچہ **مآثر الکرام** میں فرمایا:

"طلبۂ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے می رسند وہر جا مو افقت دست دہد بہ تحصیل مشغول می شوند۔"

طالبانِ علوم: یہ اس وقت کی بات ہے جب علامہ قطب الدین رازی علیہ الرحمہ علوم عقلیہ کی اِقلیم (سلطنت) کے بے تاج بادشاہ تھے۔ ان کی علمی مہارت، ثَقاہت (سنجیدگی) اور تَصَلُّب (شدت) کی شُہرت عالَمِ اسلام کے علمی حلقوں میں بوئے گل کی طرح پھیلی ہوئی تھی، ان کے تلامذہ (شاگردوں) اور مستفیدین کی تعداد سینکڑوں سے مُتَجاوِز تھی۔ بڑے بڑے عُلَماء ان کی طرف اپنے تلمُّذانہ انتساب (شاگردی کی نسبت) پر فخر کرتے تھے۔ جب جُرجان کے سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک طالبِ علم کے کان میں علامہ کی شُہرت کی آواز پڑی تو اس نے ایران سے ہرات تک کا سفر علامہ کی خدمت میں حاضری کے لئے کیا تاکہ ان سے **قطبی** اور **شرح مطالع** پڑھ سکے مگر اس وقت علامہ کی حالت یہ تھی کہ سر پر برف پھیل چکی تھی، بھویں لٹک گئی تھیں قوٰی (طاقت) جواب دے چکے تھے، ذہن اور حافظہ کمزور ہو گئے تھے دو قدم چلنا بھی دُوبَھر (دشوار) ہو گیا تھا، ایرانی طالبِ علم کے علمی شوق اور اکتسابی ولولہ پر انہیں بے انتہا مسرَّت (خوشی) ہوئی اور وہ

---

[20] (طبقات الشافعية الكبرى، الطبقة العاشرة، 152/2 هجر للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية، 1413هـ)

[21] (تذكرة الحفاظ، الطبقة الثالثة عشرة، 184/3 دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة: الأولى، 1419هـ 1998م)

حصولِ علم کے لئے اس کے جذبات، احساسات کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے مگر ذہنی اور جسمانی ضُعف (کمزوری) ونَقاہت (سستی) کی وجہ سے اس کی تمنا پوری نہ کر سکے اور اسے قاہرہ میں اپنے مایۂ ناز شاگرد علامہ مبارک شاہ مصری کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا، بلند حوصلہ طالبِ علم نے رختِ سفر باندھا اور قاہرہ کی طرف چل پڑا۔[22]

اس زمانہ میں تیز رفتار گاڑیوں کا تَصَوُّر تک کسی کے ذہن میں نہ تھا، راستے پُر خطر اور جنگل ہولناک تھے، ڈاکو اور لٹیرے، چرندے اور درندے طویل سفر کی خاص سوغاتیں تھیں، مال و دولت کی کمیابی اور وسائل کا فُقدان اس پر مستزاد! مگر تشنۂ علم (علم کے پیاسے) کو قاہرہ پہنچنے سے کوئی چیز نہ روک سکی۔ وہ عالم وار فتگی (بے خودی) میں کشاں کشاں (آہستہ آہستہ) قاہرہ پہنچا اور علامہ مبارک شاہ سے اِستفادہ کیا یہ ایرانی طالبِ علم بعد میں سید شریف اور علامہ جرجانی کے نام سے مشہور ہوا اس نے متعدد کتابوں کی شروح اور حواشی لکھے اور کئی کتابیں از خود تصنیف کیں، بہت سے لوگوں کے لئے یہ بات ایک انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے کہ قرآن حکیم کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ بھی اسی صحرا نَوَرد (خانہ بدوش) طالبِ علم نے لکھا۔

★ یہ صرف علامہ جرجانی علیہ الرحمہ کا واقعہ ہی نہیں عُلَمَاء سلف کی پوری تاریخ اس قسم کی علمی کاوِشوں اور جان سوزیوں سے مالامال ہے۔ انہوں نے جنگل کے پتے کھائے، کتابوں کا بوجھ کمر پر اٹھا کر صحرا اور بیابان طے کئے بھوکے رہے، ٹھٹھرتی (سردی سے لرزاتی) ہوئی راتیں بغیر لحاف کے گذاریں، بادِ سموم (لو) کے جھلسا دینے والے جھونکوں کا سامنا کیا، پہرے داروں کے چراغوں کی روشنی میں مطالعہ کیا۔ اَفلاس، تنگ دستی کے ظالم دیو سے نبرد آزما ہوئے انہوں نے خود تو ہر طرح کی مشقت برداشت کی مگر آنے والی نسلوں کو علم و فن کے ایسے خزانے دے گئے جو کبھی ختم نہ ہو سکے۔ ایسی قندیلیں (فانوس) روشن کر گئے جن کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

★ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کو ایک سفر میں تہی دَستی (مفلسی) نے اتنا مجبور کیا کہ تین دن متواتر (مسلسل) انہوں نے جنگل کی بوٹیاں کھائیں۔[23] امام ابو علی بلخی جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہوئے کہ فاقوں تک نوبت جا پہنچی اور ضعف و نقاہت نے لکھنے سے معذور کر دیا، بھوک کی اذیت برداشت نہ ہو سکی تو نان بائی کی دکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو سے طبیعت کو کچھ تقویت پہنچا لیں۔ فنِ حدیث کے عالی مرتبت امام ابو حاتم رازی علیہ الرحمہ اپنا قصّہ خود بیان کرتے ہیں: "میں زمانہ طالبِ علمی میں چودہ برس بصرے میں رہا ایک وقت اتنی تنگدستی ہوئی کہ کپڑے تک بیچ کھائے جب کپڑوں کی قیمت بھی خرچ ہو گئی تو دو دن بھوکا رہا آخر ایک رفیق سے اظہارِ حال کرنا پڑا، خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی، نصف اس نے مجھے دے دی۔" حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے یہاں تحصیلِ علم کے لئے جانے لگے تو ان کی کل کائنات وہ سو کلچے (خمیر) تھے جو ان کی والدہ نے پکا کر دیئے تھے، روٹیاں مہربان ماں نے پکا دی تھیں، سالن ہونہار فرزند نے خود تجویز کر لیا وہ کیا؟ دریائے دَجلہ کا پانی! حجاج ہر روز ایک کلچہ نکالتے اور دَجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور اُستاد سے پڑھتے۔ جس روز وہ کلچے ختم ہو گئے اس روز انہیں اُستاد کا درِ فیض چھوڑنا پڑا۔

---

[22] (مفتاح السعادة ومصباح السيادة في موضوعات العلوم، الباب علم المنطق، 275/1 دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة: الأولى 1405 هـ 1985 م)

[23] (طبقات الشافعية الكبرى، الطبقة العاشرة، 152/2 هجر للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية، 1413هـ)

★ شیخ الاسلام ابو العلائے ہمدانی علیہ الرحمہ کو بغداد میں کسی نے اس حال میں دیکھا کہ رات کو مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا، کھڑے کھڑے لکھ رہے ہیں ظاہر ہے اگر ان کے پاس روغن (تیل) خریدنے کی قوت ہوتی تو یہ تکلیف کیوں گوارا کرتے!

★ حکیم ابو نصر فارابی کی نسبت بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ عہدِ طالبِ علمی میں چراغ کا تیل خریدنے سے بھی معذور تھے۔ تاہم اس کا شوق بے کار رہنے والا نہ تھا، رات کو پاسبانوں کی قندیلوں سے کام لیتا اور ان کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کرتا۔ اس تنگ حالی میں اس نے وہ علمی ترقی کی کہ سارے جہان میں اپنا نام روشن کر گیا۔[24]

فائدہ: شروانی علیہ الرحمہ ایک جگہ لکھتے ہیں: "آج کل مسلمانوں کی علمی دنیا میں جو افسُردگی (بے رونقی) چھائی ہوئی ہے اسے دیکھ کر مشکل سے یقین آئے گا کہ کبھی ہم میں بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دُھن میں براعظم اور سمندر عُبور (پار) کر ڈالنا معمولی بات سمجھتے تھے جو ایک کتاب کی خاطر سینکڑوں میل پیدل سفر کرتے اور جو صرف جڑی بوٹیوں، پودوں اور پھولوں کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے ملکوں ملکوں پھرتے تھے۔ ان کے دلوں میں اگر جوش اور دماغوں میں ولولہ نہ ہوتا تو ہم کو ابنِ بیطار اور سیّد شریف نصیب نہ ہوتے اور ابو حاتم رازی اور حافظ ابنِ طاہر کے کارنامے ہمارے قومی خیالوں میں فخر پیدا نہ کرتے۔"

★ امام بخاری علیہ الرحمہ نے چودہ برس کے سن میں سیاحت شروع کر دی تھی ان کی والدہ اور بہن سفر میں نگران تھیں۔ بخارا سے لے کر مصر تک سارے ممالک اس عالی مقام امام کے سفر کی فہرست میں ہیں۔

★ امام ابو حاتم رازی علیہ الرحمہ نے اپنی سَر گزشت (حالاتِ زندگی) خود بیان کی ہے کہ میں نے تین ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت پیدل طے کی ہے (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے) یہ ان کی سیاحت کی انتہا نہیں بلکہ شمار کی حد ہے کیونکہ امام صاحب فرماتے ہیں: "اس کے بعد میں نے فاصلے کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔"[25]

★ شیخ الاسلام بقی بن مخلا علیہ الرحمہ نے اَسّی (۸۰) شُیوخ سے حدیث روایت کی ہے اور خود فرمایا کہ میں جس شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا پیدل ہی گیا۔[26]

★ ابنِ المقری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں: "میں نے صرف ایک نسخہ ابنِ فضالہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا تھا" اس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نانبائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اس کے عوض دینا گوارا نہ کرے گا (ایک منزل مجموعی طور پر بارہ میل کی قرار دی گئی ہے گویا اگلے زمانے کے عُلَماء آٹھ سو چالیس میل صرف ایک کتاب کی خاطر طے کر ڈالتے تھے) اس کے علاوہ موصوف چار مرتبہ مشرقی ملکوں (ایشیا) اور مغربی ممالک (افریقہ اور اسپین) کے سفر پر نکلے اور دس بار بیت المقدس گئے تھے۔

★ حافظ ابنِ مفرح نے سعید بن الاعرابی رحمہم اللہ سے حدیث کی سَماعت کی کہ مکہ مکرَّمہ میں ابنِ راشد سے، دمشق میں قاسم بن اَصبغ سے، قرطبہ میں ابنِ سلیمان سے، طرابلس میں محمد سے، مصر میں اور دیگر مشائخ سے جدہ۔ صنعا اور بیت المقدس میں یہ تمام مقامات اگر نقشے پر دیکھے جائیں تو تین براعظموں میں بکھرے ہوئے ملیں گے۔ اسپین میں اگر کوئی شخص اب جا کر سیاحت کرے تو کیا اس کے گمان میں بھی آسکتا ہے۔ دنیائے اسلام کے نامور عالم اور مشائخ بیسیوں نہیں

---

[24] (عیون الأنباء في طبقات الأطباء ،ابو نصر الفارابی، 603/1، دار مكتبة الحياة بيروت)

[25] (سير اعلام النبلاء ،أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ مُحَمَّدُ ، 248/13 مؤسسة الرسالة،الطبعة : الثالثة ، 1405 ھ/1985 م)

[26] (تذكرة الحفاظ ،الطبقة العاشرة ، 152/2 دار الكتب العلمية –بيروت،الطبعة: الأولى، 1419ھ 1998م)

سینکڑوں ہزاروں اسی سرزمین سے اٹھے تھے۔ ابنِ عبدالبر حمیدی اور شیخ اکبر کہاں کے تھے؟ اسی اسپین کے جو آج اپنے قدیم آقاؤں کی صورت سے بھی بیزار ہے اگر ہم عبرت حاصل کریں تو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے یہ واقعہ کم نہیں کہ مادر زاد نابینا حافظ الحدیث ابو العبّاس رازی علیہ الرحمہ اپنے نبی پاک ﷺ کے اَقوال واَفعال کی شیفتگی (محبت) میں بلخ، بخارا، نیشاپور اور بغداد کا سفر کرتے پھرتے تھے۔

آج کل طباعت کے فن نے کتابوں کا حصول اتنا آسان کردیا ہے کہ اب اس وقت کا اندازہ کرنا مشکل ہے جو پہلے زمانے میں کتابوں کے بہم (یکجا) پہنچانے میں پیش آتی تھی طالبِ علم اپنے لئے کتابیں خود ہی لکھتے تھے علامہ تفتازانی کی کتابیں جب روم پہنچیں اور درس میں مقبول ہوئیں توان کے نسخے دام (پیسے) خرچ کرنے پر بھی نہ ملتے تھے۔ مجبوراًاَساتذہ کو مدرسے میں ہر ہفتے مزید دودنوں کی تعطیل کرنی پڑی یعنی ہفتے میں تین دن طلبہ کتابیں لکھتے اور چار دن پڑھتے، کثرتِ مشق اور رات دن لکھنے نے اگلے لوگوں کو تحریر پر ایسا قادر کردیا تھا کہ اب ان حکایتوں پر مشکل ہی سے یقین آتا ہے۔

حافظ ابنِ فرات بغدادی علیہ الرحمہ نے جب وفات پائی تو کتابوں کے اٹھارہ صندوق چھوڑے ان میں سے اکثر کتابیں خود انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔

اَوصاف المُدرِّسین: دورِ حاضرہ میں جہاں شاگردوں کی بے مرّوّتی اور گستاخی کی مذمت کی جارہی ہے وہاں بعض اَساتذہ کی کیفیت شاگردوں سے بھی زبوں تر (خستہ) ہے اکثر اَساتذہ خود غرض ہیں، شاگردوں سے صرف اپنے حُقوق کا رونا تو روتے ہیں لیکن اپنی خامیوں پر ذرّہ برابر توجہ نہیں۔ فقیر آئندہ اوراق میں چند اَساتذہ کے اَحوال عرض کرتا ہے، آج کل کے اَساتذہ حضرات خود کو ان حضرات کے مطابق بنا کر دکھائیں۔

(۱) حضرت علامہ عبدالرحمن عارف جامی قدس سرہٗ اپنی مشہور تصنیف میں لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ کنوئیں میں گر پڑے، نکالنے والے نے کنوئیں کے باہر سے آواز دی کہ آپ ہاتھ اوپر کریں تاکہ میں آپ کو نکال سکوں، بزرگ نے اندر سے آواز دی کہ کسی اور کو بھیجو، تم میرے فلاں شاگرد کے بھائی ہو، میں تمھارے ذریعہ باہر نہیں آتا، تاکہ قیامت میں مجھ سے سوال نہ ہو کہ تم نے فلاں کو پڑھا کر دنیوی فائدہ حاصل کیا۔

(۲) حضرت علامہ عبدالرحمن عارف جامی قدس سرہٗ ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھتے ہیں کہ وہ بزرگ اس بستی میں شَب باشی (رات کا قیام) نہیں فرماتے جس میں ان کے کسی شاگرد کا گھر ہو۔ شاید کہ شاگرد سے کوئی فائدہ اٹھانا پڑے۔

اَحوال المُدرِّسین والمتعلمین: دورِ حاضر میں مُدرِّس کی عزت واِحترام نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مُدرِّس اپنے منصب کے لحاظ سے ولی اللہ ہے بشرطیکہ وہ اَکابر کے نقشِ قدم پر چلے۔ فقیر چند مُدرِّسین کے نمونے کے طور پر اسماء مع حالات عرض کرتا ہے تاکہ یقین ہو کہ واقعی مُدرِّس ہی حقیقی ولی اللہ ہے۔

ولی اللّٰہ بننا: لوگ سمجھتے ہیں ولایت تسبیح کھڑکانے سے ملتی ہے، میں کہتا ہوں دین پڑھنے پڑھانے سے ملتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ہمارے بعض اَسلاف صالحین رحمہم اللہ نے چلے کاٹے، تسبیح، درود و تہلیل وغیرہ پڑھی لیکن اکثر نے درس وتدریس میں ولایت پائی۔

مرشد کائنات ﷺ: حضور نبی پاک ﷺ کل کائنات کے مرشد و مربّی ہیں، آپ ﷺ کا عالمِ اَرواح میں تعلیم و تربیت کام رہا۔ انبیاء علیہم السلام اور عام ارواح کو آپ کے فیض سے ملا جو کچھ ملا۔ (روح المعانی)

اَحادیث مبارکہ میں عبادت و تعلیم کا موازنہ کرنے سے حضور نبی پاک ﷺ کی ترجیح قولی و عملی تعلیم و تربیت کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوات اور جہاد سے فراغت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہتر مشغلہ درس و تدریس رہا۔

اَکابر صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کے حلقھائے درس: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلقۂ درس جامع مسجد کوفہ میں مشہور تھا۔[27]

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: آپ بہت بڑے مُدرِّس تھے، روح البیان میں ہے کہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ سے عرض کی گئی کہ آپ کو یہ عالی مرتبہ کہاں سے نصیب ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے گھر میں تیس سال کی بہت بڑی جدوجہد سے یعنی مدرسہ میں تعلیم و تدریس سے۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظؔ   ازیمن دعا شب و ورد سحری بود

یعنی سعادت کا ہر خزانہ اللہ تعالیٰ نے جو حافظ کو بخشا ہے، وہ رات کے وظیفہ اور وردِ سحر گاہی (صبح صادق کے وقت کی ورد) کی وجہ سے ہے۔[28]

سیدنا حضور غوث اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: اپنے دور میں آپ بہترین مُدرِّس تھے، ہزاروں بلکہ بیشمار ائمہ اسلام آپ کے تَلامِذہ (شاگرد) ہو گذرے جن کی مختصر فہرست اور بعض کے مختصر حالات فقیر نے اپنی تصنیف "غوث اعظم کے علمی کارنامے" میں لکھے ہیں، آپ نے اپنے لئے فرمایا: "دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً" (قصیدہ غوثیہ)

یعنی میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ہوا۔

انتباہ: عوام بلکہ بہت سے خَواص اس تَصوُّر میں ہیں کہ اولیاء کرام بالخصوص حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم بُطون کی وجہ سے ولایت کے شہباز بنے ہوں گے یہ تَصوُّر من وجہ غلط ہے اس لئے کہ علم ولایت کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ علم ظاہری کے بغیر ولایت ناممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی جاہل ولی اللہ نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی ایسے فرد کو ولی بنانا چاہتا ہے کہ جس نے ظاہری علوم نہیں پڑھے تو پہلے اسے علم ظاہری سے نوازتا ہے، پھر اس پر علم معرفت کے دروازے کھولتا ہے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اولیاء کرام کے سردار ہیں، اسی لئے

---

[27] (أسد الغابة، الباب عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، 381/3 دار الكتب العلمية – بيروت، سنة النشر: 1415ھ 1994م)

[28] (روح البيان، سورة التوبة آية 122، 537/3 دار الفكر بيروت)

آپ کو علم ظاہری میں بہت زیادہ ریاضت و مجاہدہ کرنا پڑا۔ تفصیل تو فقیر نے رسالہ "غوث اعظم کی علمی خدمات" میں عرض کی ہیں مختصراً یہاں عرض کرتا ہوں۔

طالبِ علمی غوث اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی: شمالی فارس میں بحیرہ خزر (کسپین) کے جنوبی ساحل پر گیلان نام کا ایک زرخیز صوبہ واقع ہے، اس صوبہ کی ایک بستی کو ۴۷۰ھ میں جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولد (جائے ولادت) بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت ابو صالح موسیٰ جنگی دوست رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسنی سادات میں سے تھے۔ والدہ نہایت مُتَّقِیہ اور طاہرہ خاتون تھیں، ان کا تعلق حسینی خاندان سے تھا۔[29]

یہ خاندان پارسائی اور ہدایت کی رو سے معروف چلا آتا تھا۔ شیخ کے نانا عبداللہ صومعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور ولی اللہ تھے۔ سمرقند کے جنگلوں میں ایک قافلہ نے آپ کی برکات سے قزاقوں (ڈاکوؤں) سے نجات پائی۔[30] سیّدہ عائشہ جیلان کی بڑی پارسا خاتون تھیں وہ حضرت شیخ کی پھوپھی تھیں۔ ان کی خدمت میں لوگ بارش کی دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ سیّدہ عائشہ نے اپنے صحن میں جھاڑو دے کر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی یارب أنا کنست فرش أنت، یعنی پروردگار جھاڑو میں نے دے دی بارش تو برسادے۔ چنانچہ جب لوگ گھروں کو لوٹے تو ان کے کپڑے بھیگ چکے تھے۔[31]

ان پاک صلبوں اور پاک شکموں کے اثراتِ خیر کا کرشمہ تھا کہ شیر خوارگی (دودھ پینے کے زمانہ) میں ہی آپ کو غیر معمولی شعور حاصل تھا۔ رمضان میں دودھ نہ پینے کی روایت اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

فطرتاً آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھیل کود سے لگاؤ نہ تھا۔ نہایت چھوٹی عمر میں علم کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ ایک مرتبہ گلی میں لڑکوں نے روک لیا کہ "آؤ ہمارے ساتھ مل کر کھیلو۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بہت اچھا! میں کہتا ہوں "لاالہ" تم کہو" الا اللّٰہ" چنانچہ گلی میں کلمہ کا ذکر بلند ہوا اور بستی والے چھوٹے بچوں کے اس نرالے کھیل پر حیران رہ گئے۔

طالبِ علمی: حضرت شیخ کے بچپن اور ابتدائی طالبِ علمی کے حالات بالتفصیل نہیں ملتے۔ ایک سیرت نگار لکھتا ہے: "معلوم ہوتا ہے کہ والد آپ کی ابتدائے عمر میں ہی فوت ہو چکے تھے، اس لئے کہ تربیت کے سلسلہ میں ان کا ذکر نہیں آتا۔" تاہم دس سال کی عمر تک گھر کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر بستی کے مکتب میں داخل ہو چکے تھے۔

علمی سفر: اٹھارہ برس کے ہوئے تو دل میں علومِ عالیہ کے لئے ولولے اٹھنے لگے، جن کے لئے بغداد جانے کے سواء کوئی چارہ نہ تھا۔ والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی، وہ بڑی فاضلہ اور صاحبِ بصیرت خاتون تھیں، ابتدائی تعلیم انہی کی کوششوں اور نگرانی میں مکمل ہوئی تھی۔ دل میں بچہ کے دینی شوق پر بہت

[29] (سیر أعلام النبلاء، الباب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، 439/20 مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الثالثۃ، 1405 ھ / 1985 م)

[30] (قلائد الجواہر مترجّم، 23/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[31] (قلائد الجواہر مترجّم، 38/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

مسرور(خوش)ہوئیں، مگر شفقتِ مادری سے آنکھیں ڈبڈبا(نمناک ہو) گئیں، فرمایا: "بیٹا شوق سے جاؤ یہ دینار تمہارے والد نے وراثت میں چھوڑے ہیں، یہ زادِ راہ کے لئے لے لو۔ علم میں ہمہ تن مشغول ہو جانا اور مجھے یاد نہ کرنا کیونکہ اس دنیا میں ہماری ملاقات نہ ہو سکے گی۔

یہ الفاظ سن کر سعید و نجیب(معزز و خوش بخت) بیٹا با چشمِ نم سفر کی تیاری کے لئے اٹھا، آخر میں اس پاک ماں نے وصیت کی کہ "ہر معاملہ کی بناء راستی (سچائی) پر رکھنا۔"

جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آخری فقرہ(جملے) کو عمر کی کسی منزل میں نہ بھولے۔ جب وادی ہمدان میں ڈاکوؤں نے آپ کو گھیر رکھا تھا تو اس وقت بھی نہ بھولے۔

جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۸۸ھ کے سفر میں بغداد روانہ ہوئے۔ یہ شہر عبّاسیوں کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے علوم کا بہت بڑا مرکز تھا۔[32]

علم کے لئے ریاضت: یہاں کی شُہرہ آفاق اسلامی درس گاہ "نظامیہ" دنیا بھر کے طُلباء کا مرجع(پناہ گاہ) تھی۔ شیخ بھی اسی دارالعلوم میں داخل ہوئے حضرت شیخ کی طالبِ علمی کا زمانہ مشکلات و موانع سے بھرپور نظر آتا ہے۔ انہی ایام میں بغداد شہر میں ایک بڑا خوفناک قحط پھیل گیا۔ غالباً سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا ذکر کرتے ہیں، اور خود جناب شیخ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

طُلباء اور فُقراء کو ان ایام میں سخت دِقت درپیش تھی۔ شیخ کہتے ہیں: "ایک دن مسلسل بھوک سے تنگ آکر ایوانِ کسریٰ کی طرف(جو اس وقت ویرانہ تھا) نکل گیا کہ شاید کوئی کھانے کی چیز میسر آئے، مگر ستر درویشوں کو اسی حالت میں دیکھ کر چپ چاپ واپس چلا آیا۔"

ایک دفعہ بھوک سے بیتاب ہو کر ایک مسجد میں داخل ہوئے وہاں ایک شخص کو دیکھا سالن لئے بیٹھا تھا۔ اس نے شیخ کی حالت محسوس کر لی اور کھانے کے لئے بلایا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ وہ شخص بھی جیلانی تھا، شیخ کی والدہ نے شیخ کے لئے ایک رقم اس کے ہاتھ بھیجی تھی۔ مگر یہاں آکر وہ انہی پیسوں کو خرچ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا اور یہ کھانا بھی اسی میں سے تھا۔[33]

طالبِ علمی میں بھوک کا ایک واقعہ: ایک مرتبہ شدتِ بھوک سے دریا کے کنارے پر گئے تاکہ درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھریں مگر وہاں ہر جگہ ہر درخت کے گرد درویشوں اور طالبِ علموں کے ہجوم لگے تھے۔ چنانچہ واپس مسجد میں آکر لیٹ گئے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خوفناک قحط کے یہ ایّام کس قدر حوصلہ شکن تھے۔ مگر شیخ کے علمی اِشتیاقات(جوش طلب) میں کوئی فرق نہ پڑا بلکہ مادّی عَوارض، روحانی اَشواق(رغبت) کے لئے مہمیز(ترغیب کا سامان) ثابت ہوئے۔[34]

---

[32]) (قلائد الجواہر مترجّم، 38/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[33]) (قلائد الجواہر مترجّم، 42/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[34]) (قلائد الجواہر مترجّم، 41/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ نظامیہ کے علاوہ کسی دیگر پرائیویٹ(Private) میں بھی جاتے تھے۔ "قلائد الجواہر "کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ طُلباء فقہ کے اِصرار پر ان کے ساتھ چندہ لانے والے گروہ میں شامل ہو کر یعقو با گاؤں کی طرف گئے۔ یہاں شریف یعقوبی ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ شیخ ان کی ملاقات کو گئے،انہوں نے کہا "بیٹا! مرِیدانِ حق مانگا نہیں کرتے۔" چنانچہ آپ فوراً واپس چلے آئے،اور پھر دوبارہ کبھی چندے کے لئے نہ گئے۔

مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اَسباق یاد کرنے کے لئے آپ کی دو نشست گاہوں کا ذکر ملتا ہے یعنی کبھی تو آپ شہر سے باہر تشریف لے جاتے جہاں ایک مسجد میں بیٹھ کر کام میں مصروف رہتے۔

خواجہ بختیار کاکی قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق جناب شیخ کا زمانۂ تحصیل صرف سات برس ہے۔ مگر یہ صرف نشامیہ بغداد میں تعلیم پانے کا زمانہ ہے ۔اس سے پیشتر جیلان میں اگر تعلیم کی ابتداء کم سے کم دس برس کی عمر مان لی جائے تو بھی کل زمانہ تعلیم ۱۵ سال بنتا ہے۔

سیوطی "بغتۃ الوٗعاۃ" میں لکھتے ہیں کہ بغداد میں شیخ نے دینیات کے علوم عالیہ حاصل کئے۔ سب سے پہلے قرآن کی طرف متوجہ ہوئے، تجوید وقرأت کے علوم کی تکمیل کی، پھر تفسیر پڑھی۔ علیٰ ہذالقیاس۔ فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث نیز ادبیات عربیہ کے علوم کی تمام شاخوں میں عبور حاصل کیا اور اپنے اقران سے بہت فائق(برتر) ہوگئے۔اس طرح ۴۹۵ھ میں ۲۵ برس کی عمر میں آپ علوم ظاہر کی تکمیل سے فارغ ہوگئے۔

علم طریقت کی طرف رجوع: اگرچہ یہ مضمون ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن تبرکاًاس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

علم کے بعد تزکیۂ نفس کی از حد ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ علمی کمالات راہِ حق کے حجابات(پردے) بھی بن جایا کرتے ہیں۔

شیخ نے اس سلسلہ میں شروع سے ہی طبعی اور فطری مناسبت پائی تھی۔ تاہم بغداد کی زندگی نے اس ذوق کو مزید اُبھارا اور بالآخر منزل سے ہمکنار کیا۔

"قلائد الجواہر "کا بیان ہے کہ علوم ظاہر کی تکمیل کے بعد شیخ نے خَلوت گزینی(گوشہ نشینی) کا ارادہ کر لیا۔اس عہد(زمانہ) میں بغداد ایک بین الاقوامی شہر تھا جہاں مختلف اَقوام اور مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ خلافت کے سیاسی اِضمِحْلال(کمزوری) کے باعث دیگر مذاہب اسلام کے خلاف فتنہ آرائیوں میں سرگرم رہتے۔ دوسری طرف عوام پر دنیادارانہ زندگی کا رجحان زیادہ غالب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں ایک ایسے نیک دل جوان کا جی نہیں لگ سکتا تھا جس کی تربیت خداوالوں کی آغوش میں ہوئی تھی اور اب وہ اسلامی تعلیمات سے بھی آگاہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک دن قرآن حکیم شانہ سے باندھ کر بغداد سے باہر ویرانوں کا رُخ کر لیا مگر راستہ میں اچانک ایک دھکا سا لگا ساتھ ہی آواز آئی "واپس لوٹ جاؤ تم سے مخلوق کو فائدہ ہوگا۔" یہ غیبی ندا سن کر شیخ واپس تو آگئے مگر دل میں اِضطراب(بے چینی) کا ہجوم تھا دُعا کی "اے کاش! کسی مردِ خدا سے ملاقات ہو جائے۔"

دوسرے دن شیخ حماد رحمۃاللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے از خود بتایا کہ تم نے کل خدا سے ایک دُعا مانگی تھی۔ گویا اشارہ تھا کہ دعا قبول ہوگئی ہے۔اس دن سے آپ نے شیخ حماد کی صحبت اختیار کی شیخ موصوف بعض اوقات بے اعتنائی(بے توجہی) ظاہر کرتے مگر یہ مرید کے اِشتیاقات(شوق) کی آزمائش ہوتی تھی۔ شیخ حماد کی صحبت میں آپ نے ایک طویل عرصہ تک اِکتسابِ فیض کیا۔

حضرت قاضی ابو سعید مخزومی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے جیّد عالم اور معروف ولی تھے۔ شیخ نے ان سے ظاہر و باطن ہر دو طریق میں اِستفادہ کیا اور خرقۂ طریقت(وہ لباس جو شیخ مرید کو اپنا مرید کرنے کے بعد دے اور اُس کو خلافت اور اجازت عطا کرے) بھی ان کے دستِ مبارک سے پہنا۔

مجاھدات کا دور: ۲۵ برس کی عمر سے خَلوت اور ریاضت کا دور شروع ہوا۔ جو پچاس برس کی عمر یعنی پورے ۲۵ سال تک جاری رہا۔ مشائخ و عارفین سے تعلقات اور اُن سے حصولِ فیض کا زمانہ بھی اسی میں شامل ہے۔ کیونکہ سوانح نگاروں نے مشائخ کا عہد الگ کرکے بیان نہیں کیا۔ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں ریاضات کا زمانہ ۲۵ سال ہی بتایا ہے اور **بھجۃ الاسرار**، صفحہ ۸۵ پر خود آپ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

"میں ۲۵ سال عراق کے صحراؤں میں رہا، اس کیفیت سے کہ نہ میں کسی کو جانتا تھا اور نہ مجھے کوئی جانتا تھا۔"

خوش زمزمۂ گوشۂ تنہائی خوِیشسم　　　ازجوش وخروشِ گل وبلبل خبرم نیست

اَسرار وعجائب: اس زمانہ میں وہ ایام بھی شامل ہیں جو بُرجِ عجمی اور محلاتِ کِسریٰ کے کھنڈروں میں گذرے۔ خلوت کے ان دنوں میں لاتعداد اسرار عجائب آپ کے مشاہدہ میں آتے رہے، جنابِ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جنات مُتَشَکِّل(شکل بدل کر) ہوکر سامنے آتے۔ ابلیس کا واقعہ مشہورہ بھی اسی دور سے متعلق ہے۔ ان واقعات کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔[35]

جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خاصّہ ہر دور میں یہ رہا ہے کہ جس شعبہ سے اُنہوں نے تعلق قائم کیا اُسے تکمیل کے نقطۂ آخر تک پہنچا کر چھوڑا، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۱ چنانچہ ریاضات اور تَجَرُّد(تنہائی) کے دور میں بھی شیخ ایسی ایسی دشوار گزار راہوں سے ہو کر گذرے کہ جن کا بیان تک مشکل ہے۔

۱ (ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ **ترجمہ**: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔(پارہ۲۸، سورۃالجمعہ، اٰیت۴)

آپ خود فرمایا کرتے تھے، "ریاضات، مجاہدات اور نفس کشی کا کوئی طریق ایسا نہ تھا جسے میں نے باقی چھوڑ دیا ہو، میں گونگا اور مجنون مشہور ہونے لگا تھا۔"

مری دیوانگی عقل و خرد سے لاکھ اچھی ہے　　　کہ دنیا کی زباں مجھ کو ترا دیوانہ کہتی ہے

سال ہا سال تک راتیں جاگتے رہے اور ایک ایک نشست میں قرآن ختم کر دیتے۔ اس دور کے آخری ایام آپ نے بُرجِ عجمی میں گزارے اور بالآخر یہیں یہ کٹھن سفر انتہا پذیر ہوا۔

خرقہ پھنایا گیا: ابوالعبّاس احمد بغدادی لکھتے ہیں: "ایک مرتبہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر آب و خور چالیس روز تک بُرجِ عجمی(جو بغداد سے باہر ہے) میں بیٹھے رہے، حتیٰ کہ نفس "الجوع، الجوع، الجوع" پکارنے لگا۔ اس دوران میں قاضی ابوسعید تشریف لائے اور اپنے مکان پر آنے کا کہہ کر چلے گئے۔

[35] (قلائد الجواہر مترجّم، جلد 1 ص 45 الی 48، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

شیخ جب ان کے مکان پر گئے تو قاضی صاحب موصوف نے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا، اور پھر خرقۂ مبارکہ طریق معہود (مشہور و معروف طریق) کے مطابق پہنادیا۔ اس وقت شیخ کی عمر ۵۰ برس کی تھی۔

خرقۂ طریقت کا سلسلہ مبارک حسب ذیل ہے:

۱) جناب شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲) قاضی ابو سعید مبارک بن علی مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳) شیخ ابو الحسن علی بن محمد قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴) شیخ ابو الفرح طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵) شیخ ابو الفضل عبد الواحد تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶) شیخ ابو بکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷) شیخ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸) شیخ سرّی سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹) شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰) شیخ داؤد طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱) حضرت حبیب عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲) حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳) امیر المؤمنین امام الصالحین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم۔[36] (قلائد الجواہر، صفحہ ۴)

تبلیغ وتدریس: خرقۂ طریقت پہننے کی رسم مبارک سے فارغ ہو کر حضرت شیخ جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے تبلیغ کی مسند پر قدم رکھا اور شوال ۵۲۱ھ میں پہلا وعظ فرمانے کے لئے مشرقی بغداد کے محلہ حلبہ برانیہ میں ایک اجتماع کے سامنے کُرسی پر بیٹھے۔ وعظ سے پیشت (قبل) رجناب سرورِ عالم ﷺ اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ شیخ عرض گزار ہوئے "حضور! بغداد میں عرب کے فُصحاء موجود ہیں وعظ کیسے کہوں گا؟" اس پر شہنشاہِ

[36] (قلائد الجواہر مترجَم، 27/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

اِقلیم (کشور) رسالت ﷺ نے فرمایا: "بیٹا منہ کھولو" اور سات بار لعابِ دہن عطا فرمایا، پھر شاہ حریم ولایت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چھ بار لعاب دہن ڈالا۔[37]

آبِ حیات جاوداں کے ان مقدس سرچشموں سے فیض یاب ہو کر جناب شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ فرمایا تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بستی کے در و دیوار تک ذکر وانابت (توبہ) کی کیفیتوں میں گم تھے۔ وعظ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ کثرتِ سامعین کے پیش نظر، شہر سے باہر عید گاہ میں اجتماعات منعقد ہونے لگے۔ حاضرین کی تعداد ساٹھ ستر ہزار تک ہو جاتی۔ عوام کے علاوہ عراق کے عُلَمَاء و صوفیاء تک شریک ہوتے۔[38]

مجلسِ وعظ کے لئے ایک قاری کا تعیُّن کر دیا گیا تھا۔ جن کا نام شریف ابو الفتح ہاشمی تھا۔ وعظ سے پہلے وہ قرآن حکیم کے اس مقام کی تلاوت کرتے جس پر آپ کو کچھ فرمانا ہوتا تھا۔ جب گفتگو شروع کر دیتے تو محفل پر پُر رعب سکوت طاری ہوتا۔ صدہا اہلِ علم اپنی کاپیوں پر جواہر پارے نوٹ کرتے جاتے اور لاتعداد عوام و خواص جذب و تاثیر سے بے خود ہو جاتے۔ یہ آپ کے تبلیغی مساعی کی برکت ہے کہ آج سلاسلِ طیبہ و مدارس عربیہ سے جہاں آباد ہے۔

تبلیغی خدمت ۵۲۱ھ سے شروع ہو کر ۵۶۱ھ یعنی پورے چالیس برس تک جاری رہی۔

درس و تدریس: وعظ کے زمانہ کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کی تدریس کا دور بھی شامل ہے۔ قاضی ابو سعید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدت سے ایک دینی دار العلوم قائم کئے ہوئے تھے۔ جو بغداد میں "باب الازج" کے پاس واقع تھا۔ قاضی صاحب موصوف شیخ کے اُستاد اور مرشد بھی تھے۔ اپنے اس فاضل تِلمیذ کی علمی و روحانی صلاحیتیں دیکھ کر اپنا مدرسہ ان ہی کے سپرد کر دیا۔ جونہی مدرسہ شیخ کی طرف منسوب ہوا تو طُلباء کے بے پناہ ہجوم سے آس پاس کے راستے بند ہونے لگے۔[39]

محفل میں پیر مغاں نے جب رخسار سے گیسو سَرکائے　　پھر پروانے پہ پروانہ، کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

چنانچہ دار العلوم کی توسیع کے لئے ایک عمارت کی بنیاد رکھی گئی جو ۵۲۸ھ میں مکمل ہوئی۔ اس سن سے جناب شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ تعلیم و تدریس کا کام شروع کیا۔ آپ کے مدرسہ میں ۱۳ علوم کے اَسباق ہوتے تھے۔ بغداد اور عراق کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے طُلباء بھی داخل تھے۔[40]

گو آپ نے تعلیم کا آغاز ۵۲۸ھ سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ تاہم اگر اس دور کی ابتداء اسی سن سے مان لی جائے تو بھی ۵۶۱ھ تک ۳۲، ۳۳ سال کا عرصہ بنتا ہے۔

---

[37] (قلائد الجواہر مترجّم، 54/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[38] (قلائد الجواہر مترجّم، 52/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[39] (قلائد الجواہر مترجّم، 28/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

[40] (قلائد الجواہر مترجّم، 28/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

آپ کی تدریس علمی سے بہت سے ائمہ وعُلَماء ومشائخ فیض یاب ہوئے جن کی تعداد بے حد وبیشمار ہے تَبر کاً چند ائمہ وعُلَماء ومشائخ کے اسماء گرامی حاضر ہیں۔

محمد بن احمد بن بختیار ابو محمد عبداللہ ابنِ ابی الحسین الجبائی، خلف بن عبّاس المصری، عبدالمنعم بن علی الحرانی، ابراہیم الحدادیمنی، عبداللہ الاسدی وغیرہ وغیرہ۔آپ کے تلامذہ(شاگرد) کی فہرست مع مختصر تعارف فقیر کے رسالہ "غوث اعظم کے علمی کمالات" میں دیکھئے۔[41]

مولانا طفیل محمد بلگرامی رحمۃ اللّٰہ علیہ: آپ اپنے دور کے بہت بڑے مُدرِّس تھے، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ، مولانا طفیل محمد بلگرامی تقریباً ستر ۷۰ سال مسند تدریس پر فائز رہے، آپ مُسلّم و مُسلّم الثُّبوت کے مصنف علامہ تھے۔

فائدہ: یہ مولانا طفیل رحمۃاللہ علیہ معمولی مولوی نہیں تھے بلکہ ان کی شخصیت آزاد بلگرامی سے پوچھئے وہ فرماتے ہیں کہ آپ مَجْمَعُ البَحْرَیْن معقول ومنقول تھے اور معمولی تعلیم نہیں دیتے بلکہ بہت بڑے نامور فضلاء وعُلَماء کو اول تا آخر کامیاب کیا طفیل بلگرامی سے مولوی غلام علی آزاد جیسے فاضل نے تعلیم حاصل کی وہ لکھتے ہیں کہ من درس از بدایت تانہایت به جناب سید المحققین میرطفیل محمد روح الله روحه گذرانیدم۔(مآثرالکرام)

یعنی میں نے کُتب درسی ازابتداء تاانتہاءسیدالمحققین حضرت طفیل محمد سے پڑھیں۔

بڑے دارالعلوم یاشاندار عمارت کے اندر بیٹھ کر تعلیم کاانتظام نہیں ہوتا تھابلکہ وہ معمولی عمارتیں درسگاہیں تھیں چنانچ "مآثر الکرا م "میں فرمایاکہ میرطفیل تحصیل دربلگرام طرح اقامت یتند دراو ائل به خانه سید محمد فیض زمینداراندعیان سادات بلگرام است اقامت و اتشند۔

یعنی استاذ مکرَّم حضرت طفیل محمد بلگرامی رحمۃاللہ علیہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد ابتداًسید محمد فیض زمیندار جو سادات بلگرام میں سے ممتاز آدمی تھے کے مکان میں درس وتدریس کاکام شروع فرمایا۔

اس کے بعد:

قریب سی سال تادم و اپسین درمحله میدان پوره دردیوان خانه علّامه مرحوم میرعبدالجلیل نورالله مرقده سکونت ورزیدند۔(مآثر الکرام)

یعنی تقریباً تیس سال تاوفات محلہ میدان پورہ میں علامہ میر عبدالجلیل کے دیوان خانہ میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔

محدث بلگرامی کا فقروفاقہ: روزی کی تنگی اور مال ودولت کی قلت عموماًمُدرِّسین میں عام رہی اور یہی حقیقی مُدرِّس کی علامت ہے چند حکایات ملاحظہ ہوں مولانا نورالحق ابنِ شاہ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرھا کے ایک شاگرد سید محمد مبارک محدث بلگرامی کے متعلق ان کے شاگرد محمد بلگرامی مرحوم

---

[41] (قلائد الجواہر مترجَم، 30/1،شبیر برادرز، سن اشاعت : 2006)

فرماتے ہیں کہ روزے شرف خدمت حضرت میر (مبارک) دریا فتم برائے تہنیه وضوبرخاسته بود ناگاه برزمین افتاد به سرعت تمام شاقته نزدیک رفتم بعد اساعتے رفاقت آمد۔ (مآثر الکرام)

یعنی ایک دن حضرت میر مبارک کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا۔ نماز کے لئے اٹھے تو اچانک زمین پر گر پڑے۔ میں بھاگ کر قریب گیا، تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے۔ میر طفیل محمد نے اپنے استاذ صاحب سے پوچھا کہ حضور کیا ماجرا ہے، آپ سے بار بار اصرار کیا تو فرمایا:

سه روزاست که ا زجنس غذا میسر نیامد۔(مآثر الکرام)

یعنی تین شب و روز سے غذا میسر نہ آسکی۔

آج کل کا مُدرِّس ہوتا تو صرف ایک وقت کی بھوک ملنے پر علم سے بیزاری کا اظہار کرتا، گالیوں سے نوازتا، لیکن اس پاکباز نفسِ قُدسی (پاکیزگی) پہ قربان کہ اپنی ضرورت ظاہر نہیں کرتے اور نہ ہی کسی سے قرض مانگتے ہیں۔

مآثر الکرا م میں فرمایا: سه روزباہیچ کسی شب به اظہارنه کشورودام نه گرفت ۔(مآثر الکرام)

یعنی تین دن تک نہ ظاہر کیا اور نہ قرض مانگا۔

اب شاگرد کو سعادت مندی کا موقعہ ملا کہ اپنے گھر جا کر مُرَغّن (گھی یا چکنائی میں تربتر) پُرتَکَلُّف لذیذ بعام پکوا کر سامنے لاتے ہیں تین روز کے بھوکے قدسی نفس (پاکیزہ نفس) نے اپنے سعید تلمیذ (نیک بخت شاگرد) کو دعائیں دے کر فرمایا، بیٹا اگر ناراضگی نہ ہو تو میں کچھ کہوں، سعید شاگرد نے کہا ناراضگی کون سی میں تو ایک ادنیٰ غلام ہوں جس طرح فرمان ہو گا بسر و چشم۔ آپ نے فرمایا:

"باصلاح فقراء این طعام اشراف گویدرچند نزد فُقَہاء اکل آن جائزاست ودرشرع بعد ازسه روزمیته حلال امادرطریقۀ فقراء اکل طعام اشراف جائزنیست۔"

یعنی اشراف اس بعام کو کہتے ہیں جس کے لئے نفس کو اس کے ملنے کی امید ہو۔ یعنی فقراء و اولیاء (صوفیہ) کی اصطلاح میں اس بعام کو اشراف کہتے ہیں اگرچہ فُقَہاء کے نزدیک ایسا کھانا جائز ہے بلکہ شریعت میں تین دن کی بھوک کے بعد مردار کا کھانا بھی جائز ہے لیکن طریقت میں بعامِ اشراف جائز نہیں۔

قارئین! غور فرمائیں کہ تین دن کی بھوک کے باوجود دل پسند کھانا سامنے ہے اور وہ حکم دے کر نہیں پکوایا بلکہ شاگرد خود اپنی سعادتمندی سے گھر جا کر بعام پکوا کر لایا ہے، لیکن مولانا کی پرہیزگاری کا کیا کہنا، کہا استاذ مکرّم نے جب دیکھا کہ شاگرد عزیز نے جب میری بھوک کا قصہ سنا اور بلا تاخیر گھر گیا تو اس سے لامحالہ یہی بات نکلے گی کہ وہ بعام پکوا رہا ہو گا اس سے نفس نے اُمیدیں وابستہ کر لیں لیکن آپ نے نفس کی اس حرکت کو دیکھ کر اس بعام کو بعام اشراف سے تعبیر کر کے بعام کو ٹھکرا دیا۔ چونکہ شاگرد اُستاد کے مزاج شناس تھے، بغیر کسی اصرار اور ردوکد کے کھانا سامنے سے اٹھا لیا اور چل کر ایک اوٹ میں چھپنے کے بعد پھر لوٹے اور بعام استاذ بزرگ کے سامنے پیش کر کے عرض کی حضور کیا اب میرے چلے جانے کے بعد میری طرف سے بعام لانے کا انتظار تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میر طفیل نے کہا: "حالا این طعام بے توقع حضرت آورده ام طعام اشراف نماند۔(مآثر الکرام)

یعنی اب یہ بعام میں آپ کی توقع سے ہٹ کر لے آیا ہوں اسی لئے یہ اشراف نہیں۔ شاگرد کی حسنِ تدبیر سے اُستاد خوش ہوئے اور خوش ہو کر بعام تناول فرمایا۔

استقامت کی برکت: اس استقامت پر قریب ہی زمانہ میں دستِ غیب عطا فرمادیا گیا کہ بعد از تکمیل وہ جو بھوک سے نہ صرف نڈھال ہو رہے تھے بلکہ تین روزہ فاقہ سے بیہوش ہو گئے اب وہی ہیں کہ

"محدّث از مولہ سید واڑہ وعشیرۂ (کنبہ) خود در میانے اقامت گزید ورعایا آباد کرد وکہ مسجد ومنازل سکونت تعمیر نمود۔"

یعنی ان محدث نے سید واڑہ میں ایک میدان میں کنبہ سمیت اِقامت فرمائی اور رعایا کو آباد کیا اور مسجد و مکانات تعمیر کئے، اور صرف یہی نہیں کہ مسجد اور رہنے کے مکانات بنوائے بلکہ اور رعایا کا ایک مستقل گاؤں اپنے ارد گرد آباد کیا بلکہ :

" گرد آبادی سورے محکم از خشت وگچ کشید تا از آسیب دزد ان و وحوش وسباع محفوظ باشد۔"

گویا ایک گڑھی (چھوٹا قلعہ) تیار ہو گئی ہے۔ لیکن ایک فقیر کو رعایا سے کیا تعلق انہوں نے اس گڑھی میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ بسایا تھا جو نیک نمازی اور غُرباء پارچہ باف (جولاہے) تھے۔ اور ملّا مبارک کا ان کو ٹھہرانا بھی صرف اسی وجہ سے تھا کہ ایک طرف ان کی غُربت دور ہو گی، دوسری طرف ان کے دین میں اضافہ ہو گا اور جو لوگ ان میں دینی اُمور سے دور تھے، ان کو دین سے واقفِیت ہو گی۔ ان کو دین میں واقفِیت پیدا کرانے کا عجیب طریقہ اختیار کیا۔ اُن پارچہ بافوں میں ایک شخص نماز میں حاضر نہیں ہوتا تھا۔ میر مبارک نے اسے بلا کر پوچھا کہ نماز باجماعت میں کیوں نہیں آتے ؟ اس نے عرض کی جماعت کی پابندی سے میری کمائی میں نقصان ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کتنا نقصان ہوتا ہے ؟ اس نے کہا روزانہ ایک پیسہ کا نقصان ہو گا۔ آپ نے فرمایا ایک پیسہ مجھ سے لے لیا کرو۔ حسبِ وعدہ ایک پیسہ اس کو ملنے لگا۔

اس کے بعد اسے میر مبارک نے دیکھا کہ بلا وضو نماز میں شریک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کہ تو بلا وضو کیوں نماز پڑھتا ہے ؟ عرض کی ایک پیسہ سے دو کام نہیں ہو سکیں گے۔ میر صاحب کو اس کی اس کاروائی سے ہنسی آئی اور فرمایا وضو کا دوسرا پیسہ آئندہ دو پیسے لے کر نماز باجماعت اور باوضو پڑھا کریں۔

حضرت میر صاحب کی اس کارگذاری (کارکردگی) نے وہ اثر دکھایا کہ رفتہ رفتہ اس پارچہ باف کو نماز کی محبت پیدا ہو گئی اور اُجرت مقررہ لینے سے باز آ گیا۔

فائدہ: اس میر مبارک قدس سرہ کو اس استقامت کا یہ صلہ ملا کہ

نواب مکرَّم خان بن نواب شیخ میر عالمگیری درخدمت میرا عتقاد عظیم وراثت وخدمات شائستہ بہ تقدیم رساند۔ (مآثر الکرام)

یعنی حضرت میر سے عظیم عقیدت رکھتا تھا اور ہر طرح خدمات ان کی بارگاہ میں پیش کرتا۔

میر مبارک با معاش بہ وضع صفا ونزاکت می کرد نشتگاہ خاص وپیش مسجد مصفا وپاکیزہ می داشت کہ نمونۂ سینہ صاف دلان ودیدۂ پاک بیناں باید گفت ۔

یعنی میر مبارک وضع صفا و نزاکت کے عادی ہو گئے کہ وہ اپنی نشست گاہ اور مسجد کے صحن کو ایسے صاف وشفاف رکھتے تھے کہ وہ صاف دل اور صاف سینہ حضرات کا نمونہ (مثال) تھی۔

فائدہ: فقیر کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ جو حضرات دورِ حاضر محض تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ پر درس وتدریس (حفظ القرآن یا درس نظامی) کا مشغلہ رکھتے ہیں وہ اِن حضرات سے زیادہ خوشحال اور پرسکون ہیں جو مشاہرہ اور ملازمت کے چکر میں ہیں۔

اُستاد کے فرائض: طلبہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری بڑی اہم ذمہ داری ہے اور جو شخص اِس فرض کو دیانت داری، محنت، خلوص اور احساسِ فرض کے ساتھ سرانجام دیتا ہے وہ قوم کی صحیح معنوں میں بہت بڑی خدمت کرتا ہے۔ ایسے شخص کا قوم پر بڑا احسان ہوتا ہے۔ قوم اسے فراموش بھی کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی۔ اچھے اُستاد کے لئے بہت سی چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ جب تک وہ اس میں موجود نہ ہوں وہ اچھا اُستاد کہلا نہیں سکتا، اور نہ ہی اس کی کوششوں کے نتائج تسلی بخش ہوں گے۔ ایک اچھے اُستاد میں درج ذیل صفات ہونی چاہئیں۔

۱) **احساسِ ذمہ داری:** اُستاد میں سب سے ضروری چیز یہ ہو کہ وہ احساسِ ذمہ داری رکھتا ہو۔ جو فریضہ اسے سونپا گیا ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کا اسے پورا احساس ہو۔ اسے اس چیز کا خیال ہونا چاہیے کہ طلبہ کی تعلیم کا مقدس کام اس کے سپرد ہے۔ اس سے معمولی سی کوتاہی ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بنے گی۔ جو شخص فرض شناس ہوگا وہ اپنی ڈیوٹی (Duty) سے کبھی بھی غفلت نہیں برتے گا۔ وہ کوشش اور محنت سے درس وتدریس کے فریضہ کو ادا کرے گا اس کی فرض شناسی سے طلبہ بھی فرض شناس ہو جائیں گے۔ اور اپنی ذمہ داریوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوں گے۔

۲) **قول وفعل میں مطابقت:** اُستاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس چیز کی تعلیم اپنے طلبہ کو دے خود بھی اس پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ اگر وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہو مگر خود اس پر عمل پیرا نہ ہو تو کوئی طالبِ علم بھی اس کے قول پر عمل نہیں کرے گا۔ قول وفعل میں مطابقت بے حد ضروری ہے اس کی تلقین خود کلامِ پاک میں بھی آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (پارہ ۲۸، سورۃ الصف، اٰیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (پارہ ۱، سورۃ البقرۃ، اٰیت ۴۴)

ترجمہ: کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو۔

اس لئے ضروری ہے کہ اُستاد اپنے قول پر خود عمل کرنے والا ہو۔ وہ شخص جو دوسروں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اس چراغ کی مانند ہے جو لوگوں کے لئے روشنی پیدا کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلاتا ہے لہٰذا جو علم سیکھا جائے اس پر عمل بھی ہونا چاہیے، جو لوگ دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے وہ پسندیدہ اشخاص نہیں۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں میں کچھ لوگوں کے قریب سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ آپ کو یہ بتایا گیا کہ یہ حضور کی امت کے وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اچھی باتوں کی تعلیم دیتے تھے مگر اپنے آپ کو بھلا دیتے تھے حالانکہ وہ کتاب اللہ کو پڑھتے تھے۔[42]

حکایت: ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت ان کے پاس اپنے بچے کو اس لئے لے آئی تاکہ وہ اسے گڑ کھانے سے منع فرمادیں۔ بزرگ نے اس عورت سے کہا کہ وہ بچے کو دوسرے دن لے آئے۔ جب وہ دوسرے دن بچے کو لے کر حاضر ہوئی تو بزرگ بچے کو فرمانے لگے، بیٹا! گڑ مت کھایا کرو۔ بچے کی ماں بولی کہ یا حضرت یہ نصیحت تو آپ کل بھی کر سکتے تھے۔ فرمانے لگے کل ایسا کرنا ناممکن تھا کیونکہ کل میں نے خود گڑ کھایا ہوا تھا۔

فائدہ: اس واقعہ سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی شخص کسی کو کوئی کام کرنے کی اس وقت تک تلقین نہ کرے جب تک کہ وہ خود اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ یہ چیز اَساتذہ میں تو خاص طور پر موجود ہونی چاہیے۔

۳) **عزتِ نفس کا خیال:** اُستاد کو ہمیشہ اپنی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے۔ کسی حالت میں بھی اپنے آپ کو رسوا نہ ہونے دے کیونکہ اس طرح عوام اس کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں رکھیں گے اور اس کے لیے قبیح (برے) اخلاق کے پیشِ نظر اپنی اولاد کو اس کے پاس تعلیم کی غرض سے بھیجنے سے گریز کریں گے۔ لٰہذا عزتِ نفس کا خیال انتہائی ضروری ہے۔ محض مال و دولت کی غرض سے کسی کے آستانہ پر جَبّہ سائی (منت سماجت) کسی صورت میں بھی قابلِ تحسین نہیں ہے۔

۴) **لغو گوئی اور بیہودہ گوئی سے اجتناب:** استاد کو کبھی بھی لغو گو نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بدزبانی اور بیہودہ گوئی انسان کے وقار کو ختم کر دیتی ہے اور وہ اپنی عزت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مُعَلِّم کو شائستہ اِطوار (مناسب چال چلن)، محمودہ اَخلاق اور نفیس مذاق والا ہونا چاہیے۔ لغو گوئی، بدزبانی اور بیہودہ مذاق بچوں کی نظروں میں اُستاد کی عزت و وقار کو ختم کر دے گا۔

۵) **مضمون پر عبور:** اُستاد جو کتاب بھی پڑھائے اس پر اسے پورا عُبور ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ کسی مضمون کو خود اچھی طرح نہ سمجھ سکے گا تو طلبہ کو کیسے سمجھا سکے گا۔ جو اَساتذہ نالائق اور کم علم ہوتے ہیں وہ کبھی بھی طلبہ میں مقبول نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان سے اپنا اِحترام کرا سکتے ہیں۔ اَساتذہ کا یہ بھی فرض ہے کہ جب وہ کوئی سبق پڑھانا چاہیں تو اس کے لئے اچھی طرح تیاری کریں تاکہ دورانِ تدریس وہ نفسِ مضمون کے ساتھ پوری طرح انصاف کر سکیں۔ موضوع کی تیاری نہ کرنا فرض ناشناسی اور احساسِ ذمہ داری کے فُقدان کے مترادف ہے۔

۶) **پابندیٔ وقت:** اُستاد کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ وقت کا پوری طرح پابند ہو۔ بے قاعدگی اور تاخیر سے آنا، اَساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے مضر ہے۔ اُستاد کے لئے اس طرح کہ طلبہ اُستاد کا اِحترام نہیں کریں گے کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ اُستاد درس و تدریس میں دلچسپی نہیں لیتا۔ طلبہ کے لئے اس طرح سے نقصان دہ ہے کہ طلبہ اُستاد کی بے قاعدگی سے کلاسوں سے نکل جایا کریں گے۔ کیونکہ وہ یہ خیال کریں گے کہ معلوم نہیں استاد آتا بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ ان کے غیر

---

[42] (مشكاة المصابيح، بَاب الْأَمر بِالْمَعْرُوفِ، 1425/3، الحديث 5149، المكتب الإسلامي – بيروت، الطبعة: الثالثة، 1985۔)

حاضر ہونے کے بعد اگر اُستاد وقت پر نہ آجائے تو انہیں سخت نقصان پہنچے گا لہٰذا اُستاد کا پابند وقت ہونا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی پابندی کے ساتھ طلبہ بھی وقت کے پابند ہو جائیں گے اور ان کی یہ صفت ان کی علمی زندگی میں مفید و مُعاوِن (مددگار) ثابت ہوگی۔

۷) **حق گو:** حق گوئی اور بیباکی اُستاد کی بہترین صفات ہونی چاہئیں۔ ان دو صفات کا ذہنوں اور دماغوں پر بڑا مفید اثر پڑتا ہے۔ طلبہ بھی اپنے اُستاد کی طرح حق گو اور بے باک واقع ہوں گے اور برائی کے اِستیصال (بیخ کنی) کے لئے کسی ہچکچاہٹ یا پس و پیش کو محسوس نہیں کریں گے۔

۸) **طُلَباء میں مساوات:** ایک اُستاد کے پاس مختلف قسم کے طلبہ ہوتے ہیں ان میں امیر بھی ہوتے ہیں اور غریب بھی۔ اسی طرح ذہین بھی ہوتے ہیں اور غبی (کم ذہن) بھی۔ اُستاد کو ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ امیر طلبہ اپنی وجاہت یا امارت کی بنا پر اپنے اُستاد کے محبوب نہیں بننے چاہئیں۔ اسی طرح غریب طلبہ کی غربت اُستاد کی شفقت و محبت اور توجہ و عنایت میں آڑے نہیں آنی چاہیے اُستاد کو امیر اور غریب دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے کیونکہ دونوں تحصیلِ علم کے مقدس فریضے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اُستاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کند ذہنوں کے ساتھ بھی یکساں سلوک رکھے کہ کند ذہنی من جانب اللہ ہے۔ کند ذہنی میں غبی طلبہ کا کیا قصور؟

۹) **اخلاقِ حمیدہ:** اُستاد کو اَخلاق حمیدہ کا حامل ہونا چاہیے۔ امانت و دیانت، حق گوئی و بے باکی، صَداقت و راست بازی، محبت و شفقت مہر و کرم اور فیاضی و فراخ دلی اس کی نمایاں صفات ہونی چاہئیں اسے عَفو و در گزر سے کام لینا چاہیے۔ اگر کسی طالبِ علم سے کوئی لغزِش یا غلطی سرزد ہو جائے اور وہ اس پر نادم بھی ہو تو اسے در گزر سے کام لینا چاہیے۔ اُستاد کو جلد باز اور درشت مزاج، تند خو نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان صفات کی موجودگی میں بچے اس کے پاس جانے سے گریز کریں گے اور اگر جائیں گے بھی تو اس کی تدریس سے ڈر اور خوف کی وجہ سے استفادہ نہیں کر سکیں گے لہٰذا اُستاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرم خو اور نرم دل واقع ہو اور ضرورت سے زیادہ سختی نہ کرے۔

۱۰) **طلبہ کے کردار و سیرت کی تشکیل:** اُستاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دورانِ تعلیم اپنے طالبِ علموں کی سیرت و کردار کی تشکیل کی طرف توجہ دے اور ان کی زندگی ایسی نہج (راہ، قاعدہ) پر ڈالے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ پسند کرتا ہو۔ جو شخص اس چیز کی اہمیت کو سمجھتا ہے اور پوری توجہ سے کام لیتا ہے وہ قوم کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیتا ہے۔

شاگرد کے فرائض

جس طرح اُستاد کے کچھ فرائض ہوتے ہیں اور وہ شاگرد کے حقوق متصوَّر ہوتے ہیں اسی طرح شاگرد کے بھی کچھ فرائض ہوئے ہیں۔ ان فرائض کی ادائیگی اس کے لئے بے حد ضروری ہوتی ہے۔ اگر کوئی طالبِ علم اپنے ان فرائض کو نہیں سمجھتا تو وہ تحصیلِ علم نہیں کر سکتا۔ شاگرد کو اس صورت میں کامیابی ہو سکتی ہے جب وہ درج ذیل اُمور کا خاص طور پر خیال رکھے۔

۱) **اُستاد کا ادب واِحترام:** شاگرد کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اُستاد کا ادب واِحترام کرے۔ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے اُستاد کو کسی قسم کی کوئی کوفت یا تکلیف پہنچے۔ نافرمانی، گستاخی اور بے رُخی سے شاگرد کو ہمیشہ بچنا چاہیے۔ اگر اُستاد کسی موقع پر کسی طالبِ علم کو سخت سست کہے تو طالبِ علم کو

اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اُستاد جو کچھ کہتا یا کرتا ہے اپنے طالبِ علم کی بہتری اور بھلائی کے لیے کرتا ہے اس میں طالبِ علم کا کچھ نہ کچھ مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔اُستاد طالبِ علم کا روحانی باپ ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے حقیقی والد کی عزت اور اِحترام کرتا ہے اسی انداز میں اسے اپنے روحانی باپ یعنی اُستاد کا خیال رکھنا چاہیے۔

۲) **تحصیلِ علم کی لگن:** طلبہ کے اندر تحصیل علم کے لیے لگن، جوش اور ولولہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں مفقود ہوں تو علم کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ طلبِ علم کے دوران طالبِ علم کو ان گنت مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ پریشان ہو کر ہمت ہار بیٹھے تو وہ ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتا اس تک پہنچنے کے لئے علم کے لئے جوش و ولولہ ہونا چاہیے۔ ان کی موجودگی میں طالبِ علم بڑی سے بڑی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے۔ علم سے دلچسپی و دل بستگی اور ذوق و شوق کا فُقدان تحصیلِ علم کے راستے میں زبردست رکاوٹ بنتا ہے۔

۳) **فرائض کی ادائیگی:** جو جو کام شاگرد کے سپُرد کئے جائیں اس کا فرض ہے کہ وہ انہیں کرے۔ جو تعلیمی کام اسے گھر پر کرنے کے لئے دیا جائے اسے کماحقہٗ (جیسا حق ہے ویسا) کرے اور کام سے جی نہ چرائے۔

اسی طرح دیگر فرائض از قسم پڑھے جانے والے سبق کی گھر پر تیاری وغیرہ کا خاص خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ان سے خود طالبِ علم کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۴) **پابندیٔ وقت:** شاگرد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ وقت کا پابند ہو اگر بے قاعدہ ہو گا تو اس کا بہت زیادہ تعلیمی حرج ہو گا پھر یہ چیز بھی بالکل نامناسب ہے کہ اُستاد تو وقت پر آئے اور طالبِ علم تاخیر سے آئے۔ شاگرد کی یہ غفلت اور لاپرواہی کسی صورت میں بھی قابل معافی نہیں۔

ہم درس (کلاس فیلو) سے برتاؤ: اسلامی طالبِ علم کے اعلیٰ اَخلاق میں سے ہے کہ وہ اپنے ہم درس(Class fellows)اور اہلِ مدرسہ سے محبت و پیار اور خلوص و یگانگت کے ساتھ رہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں کسی سے کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ وہ اپنی بلند اَخلاق اور اعلیٰ کردار میں نام پیدا کریں اپنے اَساتذہ کی ناموری کے لئے اچھی شُہرت کا سبب بنیں۔

پہلا اسلامی مدرسہ: جب حضور سرورِ عالم ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو قریش آپ کے دشمن ہو گئے تو آپ ﷺ نے اسلام کی ترویج اور نشر و اشاعت کے لئے "دار الارقم" کو منتخب فرمایا۔ یہیں پر اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کو اسلامی تعلیم سے واقف کیا جاتا۔ دارِ ارقم آپ کے عہدِ مکی کا ایک باقاعدہ مکتب تھا یہاں مسلمان قریشِ مکہ کی اذیتوں سے دور رہ کر اسلام سے واقفیت حاصل کرتے جو شخص مسلمان ہونا چاہتا وہ یہاں آ کر اسلام قبول کر لیتا گویا یہی پہلا اسلامی مدرسہ ہے۔[43]

عہدِ رسالت مآب ﷺ: عہدِ مدنی میں تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی گئی، مسجدِ نبوی اس کا مرکز تھا۔ چونکہ مسلمانوں کا حلقہ بہت وسیع ہوتا جا رہا تھا، اسی لئے ضرورت تھی کہ عُلَماء کی ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی اور بدی سے لوگوں کو آگاہ کر سکے۔ خود قرآن میں ایسے گروہ کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔

---

[43] (سبل الهدى والرشاد، الباب الخامس في سبب دخول، 319/2، دار الكتب العلمية بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1414 هـ 1993 م)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (پارہ۱۱، سورۃ توبہ، آیت۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب (مدینہ کے لئے) نکلیں۔ تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اِس امید پر کہ وہ (بری باتوں سے) بچیں۔

چونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس اتنے آدمی نہ تھے جنہیں تمام قبائل میں تعلیم دینے کے لئے بھیجا جاتا اس لئے ہر قبیلہ سے پندرہ بیس یا اس سے کم و بیش لوگوں کا گروہ آپ کے پاس آتا۔ دن رات آپ ﷺ کی مجلس میں رہتا اور اسلام کا عملی نمونہ دیکھتا۔ اس کا اثر یہ ہوتا کہ اس گروہ کی نشست و برخاست، گفتار و کردار اور قول و عمل حضور ﷺ کی سیرت کے مطابق ہو جاتا پندرہ بیس دن گزرنے کے بعد جب وہ لوگ اسلام سے پوری طرح واقف ہو جاتے تھے تو آپ ان لوگوں کو انہی کے قبیلہ کی طرف مُعَلِّم بنا کر بھیج دیتے۔ ان میں سے امام اسی کو بنایا جاتا جو علم و عمل کے لحاظ سے سب سے اچھا ہوتا اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مجلس میں جسے اچھا خاصا علم حاصل ہو جاتا۔ اسی سلسلے میں حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا تھا اور آپ سے دینی اُمور کے متعلق دریافت کرتا تھا۔ اور دین میں سمجھ حاصل کرتا تھا۔"

مدینہ منورہ میں بیس دن قیام کرنے کے بعد واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا "تم اپنے خاندان کی طرف واپس جاؤ، انہیں تعلیم دو اور شریعت کے احکام سکھلاؤ، اور اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"۔[44] (بخاری شریف)

تعلیم کا دوسرا طریقہ مستقل تھا اس سے صرف وہی لوگ استفادہ کر سکتے تھے جو مدینہ میں مستقلاً مقیم ہوتے ان کے لئے صُفّہ کی درسگاہ قائم تھی۔

صفّہ کی درسگاہ: اس درسگاہ کے طالبِ علم تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے اور دن رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کے شمالی حصّے میں ایک چبوترہ تھا جہاں آنے جانے والے لوگ اور وہ صحابہ مقیم ہوتے جن کی زندگی کا اصل مقصد خدمتِ اسلام تھا اسی چبوترہ کو صفّہ کہتے تھے۔ یہی صفّہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی تھی اس کے طالبِ علم اصحابِ صفّہ کہلاتے ہیں۔ ان کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے۔ ان لوگوں کی مجموعی تعداد جنہوں نے یہاں سے علم حاصل کیا ایک سو ایک ہے۔ (امام سیوطی)

یہاں مختلف صحابۂ کرام علمِ دین کی تعلیم حاصل کرتے اور فقہی مسائل میں بحث و مباحثہ ہوتا تھا اس حلقۂ درس کو حضور ﷺ بہت زیادہ پسند کرتے اور ذکر و اذکار پر اسے فضیلت دیتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اس وقت دو حلقے بنے ہوئے تھے۔ ایک حلقۂ ذکر اور دوسرا حلقۂ درس، حضور ﷺ حلقۂ درس میں تشریف لے گئے۔[45] (مشکوٰۃ شریف)

---

[44] (صحيح البخاري، كتاب أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد، 86/9، الحديث 7246، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422هـ)

[45] (مشكاة المصابيح، كتاب أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد، 85/1، الحديث 257، المكتب الإسلامي – بيروت، الطبعة: الثالثة، 1985ء)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ درس وتدریس کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اصحابِ صفّہ طالبِ علم کے نام سے موسوم نہیں تھے۔ انہیں قُرّاء (قاری کی جمع، لغوی معنی پڑھنے والا) کہتے تھے۔ احادیث میں ان کے لئے قُرّاء کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قبیلۂ عرنیہ کی جانب آپ نے جن لوگوں کو بھیجا تھا وہ اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے۔[46] ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کرلیتا تو وہ اس جماعت سے علیٰحدہ ہوجاتا اور اس کی جگہ کوئی اور صاحب آجاتے۔

اصحابِ صفّہ بہت زیادہ نادار اور مُفلِس تھے کسی کے پاس پہننے کے لئے تین کپڑے نہیں ہوتے تھے اور ہر ایک کو دو وقت کھانا بھی میسر نہ آتا تھا۔ اکثر فاقوں میں گزرتی تھی یہ لوگ کسی کے آگے دستِ سوال نہیں پھیلاتے تھے۔ یہ لوگ جنگل میں جاتے اور لکڑی کاٹ کر لاتے اور اسے بیچ کر روزی کا سامان حاصل کرتے۔ اس میں سے آدھا خیرات کردیتے اور آدھے سے اپنی گزر اوقات کرتے۔ اسی لئے تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر ہوتا۔[47] اس درسگاہ کے مُعَلِّمین میں سے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں فقہ و قرآن کی تعلیم کے لئے فلسطین کی جانب بھیجا تھا۔ **ابو داؤد** میں ان سے درج ذیل روایت منقول ہے:

"میں نے اصحابِ صفّہ میں سے چند لوگوں کو قرآن حکیم اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صلے میں ایک شخص نے مجھے کمان دی۔"[48]

درس وتدریس کا سلسلہ درسگاہِ صفّہ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ تحصیلِ علم کے لئے لوگ بعض دوسری جگہوں میں بھی جاتے تھے۔ اس کی تصدیق مُسند احمد بن حنبل کی اس روایت سے ہوتی ہے:

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اصحابِ صفّہ ستر تھے، جب رات آتی تو لوگ مدینہ میں اپنے ایک مُعَلِّم کے پاس جاتے اور ساری رات درس میں مصروف رہتے۔"[49]

عہدِ خلافت راشدہ: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی درس وتدریس کا بہت اچھا اہتمام کیا۔ بچوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے مختلف مدارس اور مکاتِب قائم کیے تعلیم کا انتظام اکثر اوقات مساجد میں ہی ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے سلطنت کے ہر حصّے میں مکتب کھولے۔ (سید امیر علی)

ابتدائی تعلیم کے بعد قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی تھی حدیث کی تحصیل کے لئے طالبانِ علم مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کی طرف سفر اختیار کرتے کیونکہ زیادہ تر انہی شہروں میں صحابۂ کرام منتقل ہوگئے تھے۔ ایک حدیث کی تحصیل کے لئے بسا اوقات سینکڑوں میل کا سفر اختیار کرنا پڑتا۔

---

[46] (صحيح مسلم ، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد ،1511/3، الحديث 677، دار إحياء التراث العربي بيروت)

[47] (مسند احمد مخرجا، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد ،341/21، الحديث 13854 ،مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421 هـ 2001 م)

[48] (سنن أبي داود، أول كتاب البيوع، باب في كَسْبِ الْمُعلِّم ،290/5، الحديث 3416، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009 م)

[49] (مسند احمد ، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، 394/19، الحديث 12400 ،مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421 هـ 2001 م)

مُعلّمین کی تنخواہیں مقرر کردی گئیں بعض لوگ تنخواہوں سے بے نیاز ہو کر خود ہی محنت کر کے اپنی روزی کماتے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔ فنی تعلیم کا بھی انتظام تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کے اسماء کا اعلان کرادیا تھا جو پیشہ ورانہ تعلیم دیتے تھے تاکہ فنی تعلیم کے شائقین ان کے پاس جاکر تعلیم حاصل کریں۔[50]

اُستاد بننے کے لئے عمر کی کوئی قید نہ تھی بلکہ علم کی قید تھی۔ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑی بڑی عمر کے صحابہ کرام مثلاً عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ تعلیم حاصل کرتے تھے، باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر بہت کم تھی۔

خلافتِ راشدہ کے بعد: خلافتِ راشدہ کے بعد بھی علم کی نشر واشاعت کا بہترین اور معقول انتظام رہا۔ بنو امیہ کے دورِ اقتدار میں کئی مکاتِب کھولے گئے۔ اگرچہ خلفاء بنی امیہ کا زیادہ وقت اپنی سیاسی سرگرمیوں میں گزرتا، تاہم ان میں سے بعض خلفاء مثلاً امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالملک، ولید، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام، علم وادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

خلفائے بنی عبّاس نے علم کی توسیع اور اشاعت میں بہت زیادہ حصّہ لیا۔ انہوں نے عُلَماء کی صحیح معنوں میں حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی، خلیفہ منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید سب سے پیش پیش تھے۔ انہوں نے ایک بیت الحکمت بھی قائم کیا۔

ہارون الرشید کو علم وادب سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کے دربار میں دنیا کے ہر حصّے سے پڑھے لکھے اور عالم فاضل اشخاص آتے تھے۔ جن کی انتہائی فراخدلی کے ساتھ تواضع کی جاتی تھی۔ اس نے آرٹ، سائنس کی بہت زیادہ سرپرستی کی اس نے تالیف وتصنیف کے شعبہ میں جسے اس کے دادا منصور نے جاری کیا تھا توسیع کی اور اس کے عملہ میں بھی اضافہ کیا۔ اس کے عہد میں جن لوگوں نے علم وادب میں مقام پیدا کیا ان میں سے مشہور نحوی اصمعی، شافعی، عبداللہ بن ادریس عیسیٰ بن یونس، سفیان ثوری، ابراہیم موصلی اور مشہور طبیب جبرائیل بن بختیشوع تھے۔ علم کی نشر واشاعت اور تالیف وترجمہ میں مامون الرشید نے بہت زیادہ کوشش کی۔ اسکے عہد میں اسکول اور کالج سلطنت کے اَکناف اور اَطراف میں کھولے گئے اس نے ان کے لئے گرانقدر انعامات اور عطیے دیئے۔ مامون کا دربارِ مُہذّب دنیا کے ہر کونے سے عُلَماء، فُضلاء، شُعراء، فلاسفر سے بھرا ہوا تھا۔ انہیں اسی قدر انعام ملتا تھا جس قدر تاریخ دانوں، نحویوں اور محدثوں کو ملتا تھا جو بغداد میں جمع ہوتے تھے۔ اسی نے یحییٰ بن ہارون، قسطا بنِ لوقا اور دوہان بن ابراہیم کی زیرِ نگرانی یونانی، لاطینی، شامی اور سنسکرت زبانوں کی کُتب کے تراجم کروائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ الجبرا، جیومیٹری، فلسفہ، علم طبقات الارض، طبّ، نُجوم وغیرہ پر لاتعداد کُتب تالیف وتصنیف کی گئیں اور لوگوں کو ان سے روشناس کرایا گیا۔ (سید امیر علی)

علم وادب کی توسیع واشاعت پر فقط خلفاء نے ہی توجہ نہیں کی بلکہ بہت سے دیگر صاحبِ ثروت اشخاص اور اُمراء نے بھی مدارس قائم کیے۔ ان لوگوں نے طالبِ علموں اور اَساتذہ کے اخراجات کے لئے ان مدارس ومکاتِب کے ساتھ وقف قائم کر رکھے تھے جن سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی اس کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ مدارس بڑے اچھے طریقے سے چلتے تھے۔ ان مکاتِب میں ایسے ایسے اَساتذہ کا تقرُّر کیا جاتا تھا جنہیں علم وادب میں نمایاں مقام حاصل ہوتا تھا کیونکہ ان

---

[50] (الفاروق، جلد 1 ص 257 الی 260، دار الاشاعت اردو بازار کراچی)

پر ہی مدارس کی شُہرت و عظمت کا دار و مدار ہوتا تھا مدارس کی کثرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت صرف بغداد میں بیس کے قریب مدارس قائم تھے۔

جس طرح لوگوں کو مکاتِب کھولنے کا شوق تھا اسی طرح انہیں کُتب جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ مختلف اُمراء وُزراء اور صاحبِ ثروت لوگوں نے اپنی اپنی لائبریریاں قائم کر رکھی تھیں جو ان کے گھروں میں ہوتی تھیں۔ یہ لوگ کتابوں کے جمع کرنے میں مال و دولت کی پروا نہیں کرتے تھے۔

دنیائے اسلام کے چند معروف مدارس: اسلامی دنیا کے طول و عرض میں بے شمار مکاتِب قائم تھے ان میں سے حسب ذیل زیادہ مشہور تھے۔

۱) **مدرسۂ سعیدیہ**۔ نصر بن سبکتگین گورنر نیشاپور نے ۳۲۹ھ میں قائم کیا۔

۲) **مدرسہ بھیقیہ**۔ اس مدرسہ کی بنیاد بیہقی نے ۴۵۸ھ میں نیشاپور میں ڈالی تھی۔

۳) **مدرسۂ تاجیہ**۔ تاج الملک نے اس مدرسہ کو ۴۸۶ھ میں بغداد میں قائم کیا۔

۴) **نظامیہ کالج بغداد**۔ اس کالج کی بنیاد نظام الملک طوسی نے ۱۰۶۷ھ میں بغداد میں ڈالی یہ اپنے زمانے کا بہت بڑا مدرسہ تھا، بڑے بڑے جلیل القدر عُلَماء نے یہاں تعلیم حاصل کی۔

۵) **دیگر مدارسِ نظامیہ**۔ نظام الملک طُوسی نے اپنے عہدِ وزارت میں سلطنت کے طول و عرض میں بے شمار مدارس قائم کئے ان میں سے زیادہ مشہور مدرسہ ہرات، مدرسۂ نظامیہ نیشاپور، مدرسۂ ناصریہ یروشلم زیادہ مشہور ہیں۔ دمشق میں کئی مدارس تھے ان میں سے دو مدارس زیادہ مشہور تھے ایک تو مدرسۂ راہویہ ہے اور دوسرا وہ مدرسہ ہے جسے سلطان صلاح الدین کی ہمشیرہ (بہن) نے قائم کیا۔

۶) **موصل**۔ موصل بھی علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ یہاں مدرسۂ نوریہ، مدرسۂ زینبیہ اور مدرسۂ علییہ زیادہ مشہور ہیں۔

ان جُملہ مکاتِب و مدارس کا علیٰحدہ علیٰحدہ پرنسپل ہوتا تھا، بہت سے ایسے ہوتے تھے، جنہیں بہت سی گرانٹ ملتی تھی۔

۷) **مدرسۂ مستنصریہ**۔ عبّاسی خلیفہ مُستَنصَر باللہ نے ۶۲۳ھ میں بغداد میں دریاۓ دجلہ کی مشرقی جانب ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جس میں طلبہ کے آرام و سہولت اور تعلیم کے لئے ہر چیز موجود تھی۔ اس مدرسہ کی عمارت چھ سال میں مکمل ہوئی۔ اس مدرسہ کے ساتھ ہی ایک لائبریری بھی قائم کی۔ طُلباء کے اِستفادہ کے لئے شاہی کُتب خانہ سے ایک سو ساٹھ اونٹوں پر کُتب لاد کر لائبریری میں رکھی گئیں۔ طلبہ کو قلم، دوات، کتُب غرض یہ کہ ہر چیز ملتی تھی۔ ان کے علاج معالجہ کے لئے ایک ہسپتال بھی قائم کیا۔

۸) **جامعۂ قرطبہ**۔ مسلمانوں نے اسپین میں اپنے دورِ حکومت میں درس و تدریس کی طرف بہت زیادہ توجہ کی انہوں نے تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اسی مقصد کے لئے تمام ملک میں لاتعداد مدرسے اور اسکول کھولے گئے۔ قرطبہ کے اُموی خلفاء میں سے تعلیم کی خدمت کے سلسلے میں جتنی

شُہرت حکم ثانی کو حاصل ہوئی اتنی کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔اسے کُتب جمع کرنے کا بہت زیادہ شوق تھانایاب کتب کے حصول کے لئے اس نے عراق، عرب ، شام، مصر اور دیگر بڑے بڑے ملکوں اور شہروں میں اپنے گماشتے(نائبین) بھیج رکھے تھے۔وہ نایاب کُتب حاصل کر کے اسپین میں اس کے پاس بھیج دیتے۔جو مصنف بھی کوئی کتاب لکھتا حکم ثانی اس کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لئے بیش بہار قم اس کے پاس بھیج دیتا۔اس طرح سے اس نے اپنے کُتب خانہ میں چار لاکھ کُتب جمع کرلیں۔اس لائبریری کی فہرست ۴۲ جلدوں پر مشتمل تھی۔باوجود یہ کہ اس سے پہلے خلفاء نے بہت سے اسکول اور مدارس کھول رکھے تھے مگر حکم مطمئن نہ تھا۔اس نے غُرباء کے لئے صرف قرطبہ کے شہر میں ستائیس مدارس قائم کیے جہاں غُرباء کے بچے مفت تعلیم حاصل کرتے۔انہیں کُتب اور دیگر ضروریات کی اشیاء بھی مہیا کی جاتیں۔قرطبہ کی یونیورسٹی کو شاہی کُتب خانہ کی وجہ سے بہت شُہرت و عظمت حاصل ہوئی۔یہ دنیا کی مشہور و معروف اور عظیم درسگاہوں میں سے ایک تھی اور جامعہ ازہر اور جامعہ نظامیہ بغداد سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھی۔

۹) **جامعہ ازھر**۔یہ اسلامی دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہے۔اس کی بنیاد عہدِ فاطمیہ میں ڈالی گئی آج سے پانچ سات سال پہلے تک اس میں فقط مذہبی تعلیم ہی دی جاتی تھی۔اب اس میں علوم جدیدہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے پہلے لڑکیوں کو اس جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی،اب وہ بھی یہاں تعلیم حاصل کرسکتی ہیں۔(انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

یہ ایک طویل فہرست ہے نمونہ عرض کیا گیا ہے،کاش یہ بہار کبھی پھر دنیا میں آئے۔

آدابِ شاگرد: ۱) سبق پڑھتے وقت اُستاد صاحب کے قریب نہ بیٹھے،بلکہ دوزانوں ہو کر بیٹھے۔مَسند استاذ صاحب سے دور بیٹھ کر سر جھکا کر سبق پڑھے،یہ ادب حضرت جبریل علیہ السلام کی حدیث سے لیا گیا ہے کہ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو باادب دوزانو بیٹھے رہے اور سوالات کر کے جوابات لیتے رہے۔[51] (مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

فائدہ: بڑی یونیورسٹیوں میں تو فرنگی تہذیب پر اَساتذہ کو تلامِذہ اور تلامِذہ کو اَساتذہ کا درجہ دیا جارہا ہے کہ استاذ صاحب بیچارے کھڑے لیکچر دے رہے ہیں اور تلامِذہ(شاگرد) مکرَّم بن کر کرسیوں پر بیٹھے سن رہے ہیں اور ظلم یہ ہے کہ تلامِذہ(شاگرد) نہایت سکون و وقار میں کرسیوں پر اپنے کمروں میں بیٹھے رہیں اور اَساتذہ غریب ایک ایک کمرے میں دھکے کھاتے پھریں۔(واہ دلدادگانِ فرنگ)

ہائے توبہ میں نہ ایسے طالبِ علموں کو کچھ سمجھا سکتا ہوں اور نہ اَساتذہ صاحبان کو ایسی فرنگی دلدادہ عزت سے اتار سکتا ہوں۔میرا روئے سخن(اشارہ تکلم) وہ حضرات ہیں جو سوکھے ٹکڑوں کو ترجیح دے کر اپنے اَسلاف کے طریقہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔لیکن ایسے شاگرد اب کہاں اب تو ہمارے دینی مدارس کے طلبہ کالج و اسکول کے طلبہ سے دو قدم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

۲) علم اَخلاق کے مطابق عادات حمیدہ کا گرویدہ رہے اور خصائل رذیلہ (گھٹیا خصلتوں) سے دُور رہے چونکہ یہ ایک علیٰحدہ فن ہے۔اس فن کی کوئی ایک کتاب گاہے گاہے(کبھی کبھی) پڑھ لیا کریں مثلاً **کیمیائے سعادت** ، **اِحیاء العلوم** ، **مکاشفۃ القلوب** وغیرہ وغیرہ۔

---

[51] (مشكاة المصابيح, كتاب الْإِيمَان, 9/1, الحديث 2, المكتب الإسلامي– بيروت, الطبعة: الثالثة, 1985۔)

۳) دورانِ تعلیم اَساتذہ کے ہاں باادب حاضری، حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

جسے خواہش ہو کہ وہ جہنم سے آزاد شدہ لوگوں کو دنیا میں دیکھے تواُسے چاہیے کہ وہ طُلباءِ اسلام کی زیارت کرے۔[52] بخدا ہر وہ طالبِ علم جو اپنے اُستادِ گرامی کے ہاں درس گاہ یا اُن کے گھر کی حاضری دیتا ہے تو اُسے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کے ایک قدم پر بہشت میں اس کے لئے ایک شہر تیار ہو گا اور وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اسے دُعائیں دیتی ہے اور ہر شام و سحر اس کی مغفرت کا اعلان ہوتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہ طُلباءِ اسلام دوزخ سے آزاد ہیں۔[53] (روح البیان، پ۱۱)

۴) **مطالعہ کُتب میں انہماک:** اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "تحفة الاحباب لمطالعة الكتاب" خوب ہے اس بارے میں ایک عجیب حکایت ملاحظہ ہو۔

امام ادب ابوالعبّاس ثعلب الجانوی رحمۃاللہ علیہ اکانوے ۹۱ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے لیکن ذوقِ مطالعہ ابھی جوان تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن جمعہ کے بعد مسجد سے مکان کو جانے لگے۔ راستہ میں کتاب دیکھتے جاتے تھے۔ کتاب میں اس قدر محوّیت (انہماک) تھی کہ گھوڑے کا دھکا لگا اس صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ غشی کی حالت میں اُٹھا کر مکان پر لائے ضُعف پیری نے دم بر نہ ہونے دیا۔ آخر اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔[54]

ہمارے عُلَماء و طلبہ اُن کے ذوق مطالعہ کو دیکھیں اور ضُعفِ پیری کو بھی اور پھر راہ نوردی میں کیا خوب کہا گیا ہے:

چه حالت است ندا نم جمال سلمارا   که بیش دِیدنش افزوں کند تمنارا

۵) دورانِ تعلیم اَساتذہ کی ہر طرح خدمت کو سعادت عُظمیٰ سمجھے ان کی ذاتی خدمات ہوں یا گھریلو ضروریات جس طرح بن پڑے سر کی بازی لگادے۔ دور سابق میں ایسی تعلیم سلطنت کے سربراہان اپنی اولاد کے لئے ضروری سمجھتے۔

۶) طالبِ علم کو ضروری ہے کہ تعلیم کے دور میں نیت خالص اور علم پڑھنے سے اُن کا مقصد ہو کہ پہلے ہم اپنی اِصلاح کریں گے پھر بحکم خدا اہلِ اسلام کی حصولِ علم سے نہ تو یہ مطلوب ہو کہ پڑھ کر عوام سے بلند قدر ہو جائیں گے اور عُلَماء میں بہترین لباس و خوراک حاصل ہو گی اور عوام ہمارے غلام بن کر رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال طالبِ علم دین کے لئے صرف رضائے الٰہی اور خدمتِ اسلام اور اپنے سے ازالۂ جہل نیت اور دوسرے اہلِ اسلام کے لئے ابقاءِ اسلام کا مطلوب سامنے رکھے اس لئے کہ اسلام کا احیاء و ابقاء علم سے ہوتا ہے اور زُہد سے ورنہ جَہل سے زُہد و تقویٰ و عبادت وغیرہ وبالِ جان بن جاتا ہے۔

---

[52] (تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي، كتاب الإِيمَان، 427/1، الحديث 667، دار ابن كثير، دمشق بيروت، الطبعة: الثالثة، 1421 هـ 2000م)

[53] (روح البيان، سورة بقرة آية32، 102/1، دار الفكر بيروت)

[54] (طبقات المفسرين للداوودي، من اسمه احمد، 98/1، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے متعلق اَحادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

(۱) حضور سید الانبیاء ﷺ قیامت کے حساب و کتاب کا قصّہ بیان فرماتے ہوئے اوّل میں ریاکار شہید کی کہانی سنائی پھر عالم بے عمل کے متعلق فرمایا:

"ورجل تعلم العلم، وعلمه وقرأ القرآن، فأتي به فعرفه نعمه فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: تعلمت العلم، وعلمته وقرأت فيك القرآن، قال: كذبت، ولكنك تعلمت العلم ليقال: عالم، وقرأت القرآن ليقال: هو قارئ، فقد قيل، ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار"[55] (صحيح المسلم، كتاب الامارة)

یعنی ایک عالم کو قیامت میں لایا جائے گا وہ اپنے علم پر عمل کا دعویٰ کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب کچھ تو نے اپنی ناموری کے لئے کیا تھا، پھر حکم ہو گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں پھینک دو۔

(۲) مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ العُلَمَاء أَوْلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ[56]

(سنن الترمذی، كتاب العلم)

یعنی جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ وہ عُلَماء سے جھگڑے گا اور سُفہاء (بے وقوفوں) کو اپنے تابع کرے گا اور عوام کو اپنی طرف متوجہ کرے گا تو ایسے عالم کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا۔

انتباہ: عالم کو اس لئے سزا مل رہی ہے کہ اس نے علم میں نیت خالص نہ رکھی۔ دنیوی اغراض کو مطمحِ نظر (نصب العین) بنایا۔

۷) اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جس حال میں علم حاصل ہو اس کو غنیمت عُظمیٰ سمجھے یہی ہمارے اکابر کا طریقہ ہے حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار کہیں جارہے تھے راستے میں سامنے سے حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی گھوڑے پر سوار تھے آپ نے گھوڑے سے اُتر کر استاد کی رِکاب تھام لی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے ابنِ عم رسول اللہ ﷺ آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے جواب دیا ہمیں اس طرح اہلِ علم کا ادب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نیچے اُتر آئے اور حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح اہلِ بیت کا ادب کرنے کا حکم ملا ہے۔[57]

درسِ عبرت: سچ ہے:

---

[55] (صحيح مسلم، كتاب الامارة، الباب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، 1513/3، الحديث 1905، دار إحياء التراث العربي بيروت)

[56] (سنن الترمذى، كتاب العلم عن رسول الله، الباب ماجاء فيمن يطلب بعلمه الدنيا، 329/4، الحديث 2654، دار الغرب الإسلامي – بيروت، سنة النشر: 1998م)

[57] (الرخصة في تقبيل اليد، هَكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا وَكُبَرَائِنَا، 95/1، الحديث 30، دار العاصمة الرياض، الطبعة: الأولى، 1408)

غور فرمایئے کہ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے چچازاد ہیں قُربتِ رسول ﷺ سے بڑھ کر اور کونسا اعزاز ہوگا لیکن وہ علم کی خاطر اس بہت بڑے اعزاز کو خاطر تک نہ لائے پھر شان بھی ملی تو اتنی اونچی کہ بہت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ ان کی قسمت پر رشک کرتے اور آج پیرزادہ، مولوی زادہ، امیر زادہ علم اسلامی سے اسی لئے محروم ہے کہ وہ اس گمان میں ہے کہ میں ایسا ہوں ویسا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

فقیر اُویسی غفرلہٗ کی قسمت کا ستارہ: فقیر کو یاد ہے کہ جب حضرت علامہ الحاج خورشید احمد صاحب فیضی مدظلہ سے علم کی دولت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اُنہوں نے ازراہِ کرم علم سے نوازا اور سنت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نصیب ہوئی کہ آپ گھوڑی پر سوار ہوتے اور فقیر پیادہ گھوڑی کے آگے دوڑتا اور آپ فقیر سے علمی سوالات کرکے جوابات سے نوازتے اور اَسباق کے متعلق افادہ (فائدہ پہنچانا) وافاضہ (فیض پہنچانا) فرماتے۔ اِسی سے ہی فقیر کو دولتِ علم نصیب ہوئی۔ (الحمد للہ علی ذلک)

لطیفہ: فقیر کا ایک شاگرد پیری مریدی کا دھندا کرنے لگا اور وہ تھا دوسرے ہمجولیوں (ہم عمر) سے کم درجہ لیکن پیری مریدی سے اسے کچھ وافر حصّہ مل گیا۔ بعد فراغ مجھے معلوم ہوا کہ یہ علمی دولت سے کورا رہا تو اُسے طریقت کیا نصیب ہوگی۔ ایک دن کہنے لگا استاذ صاحب آپ سے میں نے علمِ ظاہری کو تھوڑا سا حاصل کیا لیکن علمِ طریقت میں بہت کچھ۔

میں نے کہا: من اندازقدت واخوب می شناسم

یعنی دراصل وہ مریدوں پر اپنی ولایت کا سکّہ بٹھانا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کے زعم (گمان) پر پانی پھیر دیا۔

درسِ ضروری: علم پڑھنے کے دوران تمام شرائط خوب لیکن استاذ کا اِحترام علم کا اِکسیرِ اعظم (کیمیاء) ہے۔ یاد رہے کہ علم کے فوائد اور فضائل وغیرہ اس وقت نصیب ہوں گے جب استاذ کی عزت واِحترام سے دل شاد ہو، ورنہ بربادی وتباہی کہ سوا کچھ حاصل نہیں۔

باپ اور اُستاد: سکندرِ اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اُستاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ جواب دیا کہ میرا باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا اُستاد (ارسطو) مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا نیز باپ سببِ حیات فانی ہے اور اُستاد موجبِ حیاتِ جاودانی ہے۔[58]

اُستاد کی عظمت: حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے جب حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کی خدمت میں زانوئے تلمُّذ تہہ کئے۔ جب کتاب کا ورق پلٹنے کی نوبت آتی تو اس قدر احتیاط کرتے کہ آواز پیدا نہ ہو مَبادا (خدانخواستہ) اُستاد کو تکلیف پہنچے۔

---

[58] (روح البیان، سورۃ لقمان آیۃ 14، 78/7، دار الفکر بیروت)

امام اعظم اور حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنھم: حضرت حماد ابنِ سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُستاد ہیں۔ان کی بیوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو حنیفہ تیس برس تک ہمارے گھر کا سودا لاتے رہے۔ہم نے اس خیال سے روکا کہ اتنے بڑے امام سے معمولی کام کیوں لیں جواب میں کہا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اسے کیوں چھوڑوں۔

سرتاجِ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ: حضرت مظہر جانِ جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔آپ نے مولانا حاجی محمد افضل سے علمِ دین پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی۔فرماتے ہیں کہ بوقت رخصت مجھے اُستاد نے عمامے کے نیچے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔پندرہ سال تک میں نے اسے اپنے عمامے کے نیچے رکھا پھر اس کے دھونے کا خیال آیا تو رات کے وقت گرم پانی میں بھگو کر رکھا۔صبح کو اس کو رگڑ کر اور مل کر صاف کیا اور پانی کو ضائع نہ ہونے دیا اس کا رنگ املتاس(ایک قسم کا درخت) کے مشابہ تھا وہ پانی میں نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے پی لیا جس کی برکت سے علم کے بے شمار دروازے میرے اوپر کھل گئے۔

اُستاذ کی معمولی بے ادبی تباھی کا موجب ھے: صاحبِ ہدایہ کے اُستاذ در اُستاد حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ ایک بار اپنے شہر سے دوسرے شہر کو جانے لگے۔سب لوگ حاضر ہوئے امام زنجری رحمۃ اللہ علیہ نہیں آئے۔اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر رہے تھے۔اس لئے استاذ کی زیارت سے محروم رہے۔جب اس کے بعد ملاقات ہوئی تو اُستاد نے شکایت کی۔امام زنجری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا عذر بتایا۔حضرت حلوائی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ماں کی خدمت کو اُستاد کی ملاقات پر ترجیح دی۔اس لئے تمہاری عمر بڑھے گی لیکن علم دین کی درس تدریس نہ کر سکو گے۔تعلیم المتعلم میں ہے کہ جیسا اُستاد نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔علم سینے کا قبر میں ہمراہ لے گئے لیکن کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔[59]

اُستاذ کے لڑکے کی تعظیم: ایک بزرگ حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے، خلافِ معمول اثنائے درس میں کئی بار کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے۔اختتام درس پر اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے اُستاد کا صاحبزادہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے آجاتا ہے تو اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔اس سے ثابت ہوا کہ اُستاد کی عزت میں اس کی اولاد کی توقیر بھی شامل ہے۔

اُستاذ کی خدمت کی برکت: رئیس الائمہ قاضی فخر الدین کے علو مرتبت کا کیا کہنا شاہِ وقت بھی اُن کا بے حد احترام کرتا تھا انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میرا منصب جلیلہ صرف اُستاد کی خدمت کا رَہینِ منّت(ممنون) ہے علاوہ اور خدمات کے تیس ۳۰ برس تک میں اپنے اُستاد ابو زید وبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بپاس ادب اس میں سے کبھی خود نہ کھایا تھا۔[60]

شھزادے اُستاد کے قدموں پر: خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم وادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا۔ایک دن ہارون الرشید درس گاہ میں جا پہنچے دیکھا کہ امام اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شہزادہ ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ہارون الرشید نے امام سے مخاطب ہو کر

---

[59] (تعلیم المتعلم طریق التعلم ، فصل فی تعظیم العلم و اھلہ ،27/1،الشاملہ)

[60] (تعلیم المتعلم طریق التعلم ، فصل فی تعظیم العلم و اھلہ ،26/1،الشاملہ)

کہا کہ میں نے شہزادے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اسے ادب سکھائیں گے آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ "ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے اور دوسرے سے پانی ڈالے۔"[61]

اُستاد کے سامنے:امام ربیع فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جراٗت نہ ہوئی۔

اَساتذہ کو ھدایات: ۱) اُستاد کا مقام ہر اعتبار سے عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہے استاذ کے اوصاف واَطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کا مکمل و مجسّم نمونہ ہو اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس شاگرد کے دل میں اُتر جائے۔

۲) جو استاذ اَخلاقی برائیوں کو حسنِ اَخلاق کے ذریعہ رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ اُستاد کہلانے کا مستحق نہیں۔اُستاد کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے سے ہی چلیں بلکہ انہیں اپنی ذاتی صلاحیت سے تیرنا سکھاؤ۔

۳) شاگرد کا فرض ہے کہ انتہائی اِنکسار اور تَواضُع اختیار کرے اور اپنی اطاعت شعاری اور خدمت گزاری سے اُستاد کی سختی کو بھی نرمی میں بدل دے تاکہ اُستاد سے فیض حاصل کر سکے۔

اُستاد کی نازبرداری:ابنِ عینیہ رحمہ اللہ سخت مزاج تھے کسی نے آپ سے کہا کہ طالبِ علم دُور دُور سے آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ اُن سے خفا ہوتے ہیں کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔آپ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری طرح اَحمق (بے وقوف) ہوں گے کہ وہ میری سخت روی کی وجہ سے اپنا فائدہ ترک کر دیں۔

ھدایات تَلامِذہ (شاگرد): (۱) امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اُستاد کا اِحترام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نکتہ بیان کرے اور وہ شاگرد کو معلوم ہو تو اُستاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہمیں پہلے اس کا علم ہے۔

(۲) اُستاد کے سامنے خود کو بے علم سمجھے۔حضرت حافظ جمال الملۃ والدین ملتانی قدس سرہٗ بہت بڑے عالم بلکہ مشاہیر عُلَماء کے استاذ تھے مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہم اللہ آپ کے ثانوی درجہ کے شاگردوں میں سے تھے اتنے بڑے بحر العلوم حافظ جمال قدس سرہٗ جب حضور مہاروی قدس سرہٗ کے حضور حاضر ہوتے تو آپ نے خود کو اتنا مخفی (پوشیدہ) رکھا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بھی عالم دین ہیں بعد میں راز ظاہر ہوا۔

(۳) استاذ کے سامنے شیخی بگھارنے (بے جا قابلیت کی نمائش) کے بجائے خود کو ان کے غلاموں جیسا سمجھے دور سابق میں اس طرح بادشاہوں کا شیوہ تھا۔

سلیمان بن عبدالملک:مؤرِّخین جانتے ہیں سلیمان بن عبدالملک کیسا بارعب بادشاہ تھا اس کی سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔وہ اپنے شاہزادگان کے ہمراہ حج پر گئے چونکہ حج کے مناسک سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔انہوں نے کسی عالم دین کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ شہزادگان

---

[61]) (کتاب النوادر.. مئات المواقف الذکیۃ والنوادر العربیۃ.85/1،)

سمیت اس وقت کے جلیل القدر عالم عطاء ابن ابی رباح علیہ الرحمہ کی خدمت میں گئے۔ یہ سیاہ فام حبشی اور غلام تھے۔ لیکن علمی مرتبہ کے اعتبار سے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اُستاد ہیں۔ جب بادشاہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ اِشراق کی نماز پڑھ رہے تھے آپ کی نماز کافی لمبی تھی خُشوع و خُضوع کے ساتھ نماز ادا کر کے فارغ ہوئے تو بادشاہ کی آمد کا علم ہوا لیکن کوئی خاص توجہ نہ کی۔ سلیمان نے از خود مسائل دریافت کئے جن کے جوابات ملنے پر خود جانے لگا تو شہزادوں کو ہدایت کی کہ تم ٹھہرو اور ادب و اَخلاق کی تعلیم اس عالم دین سے حاصل کرو۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے دریافت کیا کہ انہوں نے آپ کی طرف تو توجہ نہیں دی آپ شہزادوں کو چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس حبشی غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھ کو بادشاہی کے مقابل میں عالم دین کی حیثیت کا علم ہو گیا۔ [62]

بادشاہ شاہِ عالم: حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃاللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں شاہی خاندان سے تعلق کی بناء پر انتہائی نازک مزاج تھے۔ ایک بار شاہ عالم بادشاہ ان کے ہاں ملنے کو آئے دوران ملاقات بادشاہ کو پیاس لگی وہاں ایک صُراحی رکھی تھی جس پر کٹورہ تھا۔ آپ نے بادشاہ کو فرمایا کہ صراحی رکھی ہے پانی پی لیں۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ رکھ دیا لیکن وہ کچھ ٹیڑھا رکھا گیا۔ مظہر جان جاناں رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ سر میں درد پڑ گیا کہ کٹورہ رکھنے کی بھی تمیز نہیں بادشاہی کیا کرو گے۔

فائدہ: یہ واقعات دینی علم اور دنیوی دولت کا فرق بتاتے ہیں تا کہ انسان علمی دولت کے حصول میں سر کی بازی لگا دے۔

ارشاد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ أنا عبد من علمنی حرفا واحدا [63]

یعنی جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے وہ میرا مُحسن ہے، میں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے۔

اس ایک مقولے نے اُستاد کی اہمیت اور اس کی حیثیت کو ظاہر کر دیا ہے اسلام میں والدین کے بعد اُستاد کو درجہ حاصل ہے بلکہ اُستاد کو روحانی باپ بھی کہا گیا ہے اور اپنے والدین کی چاہے وہ حقیقی والدین ہوں یا روحانی سب کی عزت و احترام لازم ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام کی طالبِ علمی: "روح البیان" میں ہے کہ زجاج نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقۂ کار سے معلوم ہوا کہ باوجود جلیل القدر نبی (علیہ السلام) ہونے کے علم کی طلب کے لئے دور دراز اور مشقت بھرا سفر اختیار فرمایا اس میں درس ہے کہ انسان ظاہری طور کتنا ہی بلند قدر ہو جائے لیکن اس کے لئے لازم ہے علم دین کے حصول میں کوتاہی نہ کرے۔ جیسا کہ مشہور ہے:

"اطلبوا العلم من المهد الى اللحد" [64] (تفسیر روح البیان، سورۃ الکہف)

---

[62] (صفة الصفوة، باب عطاء بن ابی رباح، 415/1، دار الحديث، القاهرة، مصر، الطبعة: 1421ھ/2000م)

[63] (تعليم المتعلم طريق التعلم، فصل فی تعظيم العلم و اهله، 24/1، الشامله)

[64] (روح البيان، سورة الكهف تحت آية 66، 274/5، دار الفكر بيروت)

یعنی علم حاصل کرو گھوارے سے لے کر قبر میں جانے تک۔

مثنوی شریف میں ہے:

حاتم ملک سلیمان است علم　　　　جملہ عالم صورت و جانست علم

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کی انگشتری علم ہے، جملہ عالم جسم اور اس کی روح علم ہے۔[65] (تفسیر روح البیان، سورۃ الکہف)

ازالۂ وہم یہود: حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی نبوت اور اس کی جلالت کے مُنافی (خلاف) نہیں کہ انہوں نے اپنے سے کم درجہ کے نبی سے کسبِ فیض کیا اس لئے کہ ان کے علوم کا تعلق علمِ شریعت اور ظاہری احکام پر تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کے علم کا تعلق علم باطن سے تھا اور ایسے حصولِ فیوض کے مُنافی (خلاف) کی کوئی دلیل بھی نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر گویا یوں عرض کرتے تھے کہ "میں آپ کی مساوات (برابری) کا دم نہیں بھرتا بلکہ مجھے آپ کے علوم سے بعض حصّہ مل جائے یہ بھی غنیمت ہے"۔ گویا فرمایا کہ میری مثال اس فقیر جیسی ہے جو دولت مند کے مال سے تھوڑا سا حصّہ طلب کرتا ہے۔

یہ اُلٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفعت شان اور عظیم منزلت کی دلیل ہے کہ اتنے بہت بڑے عظیم المرتبہ نبی (علیہ السلام) ہونے کے باوجود حصولِ علم میں کتنا تواضع و انکسار ظاہر فرما رہے ہیں۔

فائدہ: اس سے ہمارے دور کے وہ فضلاء طُلباء عبرت حاصل کریں جو حصولِ علم میں تواضع و انکسار سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی اپنے اَساتذہ کے ساتھ نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بدبخت کمینے اُلٹا اَساتذہ کی توہین اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تعلیم کے دوران نہ سہی بعض بعدِ فراغت اپنی معاش کی مجبوریوں کی وجہ سے بعض بدنہاد اَساتذہ کے مقابلہ کے لئے تُل جاتے ہیں اور بعض بُغض و عداوت (دشمنی) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

علم کی فضیلت: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر علم کی ضرورت سخت نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ اسلام علم کے لئے اتنی مشقت نہ اُٹھاتے، تبھی تو حضرت خضر علیہ اسلام سے تابعداری کی پیشکش کی چنانچہ فرمایا: هَلْ اَتَّبِعُكَ اـ (کیا میں تمھارے ساتھ رہوں؟)[66] (الآیۃ، روح البیان)

(اـ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (پارہ ۱۵، سورۃ الکہف، آیت ۶۶

(**ترجمہ:** اس سے موسیٰ نے کہا، کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔)

---

65) (روح البیان، سورۃ الکہف تحت آیۃ 66 ،5/274، دار الفکر بیروت)

66) (روح البیان، سورۃ الکہف تحت آیۃ 66 ،5/274، دار الفکر بیروت)

طالبِ علم اصحابِ رسول ﷺ: (۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث کی خاطر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے ان کی درمیانی مسافت ایک ماہ تھی، چنانچہ بخاری شریف کتاب العلم میں ہے کہ

رحل جابر بن عبد الله مسيرة شهر، إلى عبد الله بن أنيس، في حديث واحد [67] (صحيح البخاری)

یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث کی خاطر عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ماہ کی مسافت طے کر کے تشریف لے گئے۔

(۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (میز بانِ رسول ﷺ) صرف ایک حدیث کے لئے حضرت عقبہ بن جہنی کے ہاں مصر تشریف لے گئے۔ وہ حدیث شریف یہ ہے: "مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ، سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ" [68] (سنن أبي داود، کتاب الأدب)(سنن ترمذی، کتاب الحدود)

یعنی جس نے اپنے مسلمان بھائی کے گناہ کو چھپایا خدا اسے دنیا و آخرت میں رُسوا نہیں فرمائے گا۔

تابعی طالبِ علم: حضرت عبداللہ بن عدی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک حدیث کے لئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عراق گئے تھے۔ (فتح الباری، جلد۱، صفحہ ۱۵۱)

آدابِ شاگردی: جیسا کہ فقیر نے اس تصنیف کے ابتداء میں علم کا اصل گر آداب و اکرام استاذ عرض کیا تھا۔ اس کا اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے ممکن ہے کسی شاگرد کو حقوق اور آداب و تعظیم کی دولت نصیب ہو جائے۔

ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنھم اورادبِ استاذ: حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں جب میں بغرض تحصیلِ علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہِ ادب ان کو آواز نہ دیتا۔ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ ہوا خاک اور ریت اڑا کر مجھ پر ڈالتی۔ پھر جب حضرت زید کا شانۂ اقدس سے تشریف لاتے اور فرماتے اے ابنِ عمِ رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی۔ میں عرض کرتا مجھے لائق نہ تھا کہ میں آپ کو اطلاع کراتا۔ [69] یہ وہ ادب ہے جس کی تعلیم قرآنِ عظیم نے فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (پارہ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت۵،۴)

---

[67] (صحیح البخاری، کتاب العلم، الباب الخروج فی طلب العلم، 26/1، الحدیث بین 78 و 77، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، 1422ھ)

[68] (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْحُدُودِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ، 34/4، الحدیث 1425، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر، الطبعة: الثانية، 1395ھ 1975م)

[69] (فضائل الصحابة، فَضَائِلُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، 976/2، الحدیث 1925، مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة: الأولى، 1403 1983)

ترجمہ: بیشک وہ جو تمہیں حُجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رِکاب تھامی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے اے ابنِ عم رسول اللہ ﷺ ۔ انہوں نے کہا ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ عُلَماء کے ساتھ ادب کریں۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے اور حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا ہمیں یہی حکم ہے کہ اہلِ بیت اطہار کے ساتھ ایسا کریں۔[70]

ھارون الرشید اور ادب: ہارون الرشید جیسے جبار بادشاہ نے مامون الرشید کی تعلیم کے لئے حضرت امام کسائی (جو امام محمد علیہ الرحمہ کے خالہ زاد بھائی اور اجلہ عُلَماء قراء سبعہ میں سے ہیں) سے عرض کیا شہزادوں کی تعلیم کے لئے محل میں پڑھانے آجائیں۔ فرمایا میں یہاں پڑھانے نہ آؤں گا شہزادہ میرے ہی مکان پر آجایا کرے۔ ہارون الرشید نے عرض کی وہ وہیں حاضر ہو جایا کرے گا مگر اس کا سبق پہلے ہو۔ فرمایا یہ بھی نہ ہو گا بلکہ جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہو گا۔ مامون رشید نے پڑھنا شروع کیا۔

اُستاد کا شاھانہ رنگ: ایک روز ہارون الرشید کا گزر ہوا اور دیکھا کہ امام کسائی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور مامون رشید پانی ڈالتا ہے۔ بادشاہ غضبناک ہو کر اُترا اور مامون رشید کے کوڑا مارا اور کہا او بے ادب خدا نے دو ہاتھ کس لئے دیئے ہیں ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے ہاتھ سے ان کا پاؤں دھو۔

حکایت: ہارون رشید نے ابو معاویہ خزیمہ کی دعوت کی وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ جب آفتابہ (ایک قسم کا لوٹا) اور چِلَمچی (منہ ہاتھ دھونے کا آلہ) ہاتھ دھونے کے لئے لائی گئی تو چِلَمچی خدمت گار کو دی اور آفتابہ خود لے کر ان کے ہاتھ دھلائے اور کہا آپ نے جانا کون آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے؟ کہا نہیں۔ کہا ہارون۔ کہا جیسی آپ نے علم کی عزت کی ایسی اللہ عزوجل آپ کی عزت کرے۔ ہارون رشید نے کہا اسی دعا کے حاصل کرنے کے لئے یہ کیا تھا۔[71]

ھارون الرشید کو عُلَماء کا ادب: ہارون الرشید کے دربار میں جب کوئی عالم تشریف لاتے بادشاہ ان کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑا ہوتا۔ ایک بار درباریوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین رُعب سلطنت جاتا ہے۔ جواب دیا اگر علمائے دین کی تعظیم سے رُعب سلطنت جاتا ہے تو جانے ہی کے قابل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا رُعب روئے زمین کے بادشاہوں پر بدرجہ اتم تھا۔

ھارون رشید کا رعب: سلاطین نصاریٰ ان کے نام سے تھراتے (کانپتے) تھے۔ تخت قسطنطنیہ پر ایک عیسائی عورت حکمران تھی اور وہ ہر سال خراج ادا کرتی۔ جب وہ مر گئی تو اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا اور خراج نہ حاضر کیا۔ ادھر سے خراج کا مطالبہ ہوا تو اس نے حضرت ہارون رشید کی خدمت میں ایک ایلچی (قاصد) کے ہاتھ اس مضمون کی تحریر بھیجی کہ وہ مر گئی جو خود پیادہ (شطرنج کا مہرہ) بنی تھی اور آپ کو رُخ (شطرنج کا مہرہ) بنایا تھا۔ یہ تحریر لے کر ایلچی جب حاضر دربار ہوا وزیر کو حکم ہوا سناؤ۔ وزیر نے اسے دیکھ کر عرض کی حضور مجھ میں تاب نہیں جو اسے سُنا سکوں۔ فرمایا لاؤ مجھے دو، اور اس تحریر کو پڑھ کر بادشاہ کو ایسا جلال آیا جسے دیکھ کر تمام

---

[70]) (الرخصة في تقبيل اليد، هَكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا وَكُبَرَائِنَا، 95/1، الحديث 30 ، دار العاصمة الرياض، الطبعة: الأولى، 1408)

[71]) (تاريخ الخلفاء، الرشيد ابو جعفر ، 211/1، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة: الطبعة الأولى: 1425ھ2004م)

دربار بھاگ گیا۔ صرف وزیر اور وہ ایلچی رہ گئے۔ وزیر کو حکم ہوا جواب لکھ۔ اُس نے ارادہ لکھنے کا کیا مگر رُعب شاہی اس قدر غالب تھا کہ ہاتھ تھر تھرانے لگا اور قلم نہ چلا۔ پھر فرمایا لاؤ مجھے دو اور یوں لکھا:

"یہ خط ہے خدا کے بندے امیر المؤمنین ہارون رشید کی طرف سے روم کے کتے فلاں کو کہ او کافرہ کے جنے جواب وہ نہیں جو تو سنے، جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا۔"

یہ فرمان ایلچی کو دیا اور فوراً لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ ایلچی کے ساتھ لشکر لے کر پہنچے اور جاتے ہی قسطنطنیہ کو فتح کر کے اس عیسائی بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ اس نے بہت گریہ وزاری کی، ہاتھ پاؤں جوڑے، خراج دینے کا وعدہ کیا تو اُسے چھوڑ دیا اور تاج بخشی کر کے واپس آئے۔ ابھی ایک منزل آئے تھے کہ خبر پائی کہ اس نے پھر سرتابی (حکم عدولی) کی۔ فوراً واپس گئے اور پھر فتح کیا اور پھر اسے گرفتار کیا۔ پھر اس نے ہاتھ جوڑے اور خوشامد کی پھر چھوڑ دیا۔ ایسے جبار بادشاہ کی عُلَماء کے ساتھ یہ طرز تعظیم تھی۔[72] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

بہر حال اَساتذہ میں ہزار کمی ہو مگر سنّی ہو۔ جتنا ادب اور تعظیم کی جائے کم ہے اور اس کا نفع دنیا میں نقد بھی ہے اور آخرت میں تو شمار سے باہر ہے۔ فقیر نے آنکھوں سے سینکڑوں عُلَماء حفاظ کو دھکے دیتے دیکھا اس نحوست سے جو ان سے ادب و تعظیم کی بجائے بے ادبی سرزد ہوئی اور سینکڑوں کی عزت و عظمت پر رشک کیا کہ انہوں نے اپنے اَساتذہ کی عزت و تعظیم میں کسر نہ چھوڑی یہاں تک کہ بعض خوش قسمت تو القاب اعلیٰ کے بعد استاذ مکرّم کا نام لیتے اور بعض تو اپنے استاذ کا نام نہ لیتے القاب بیان کر کے قرینہ سے نام سمجھاتے۔

نقد سودا: فقیر کے اکثر تلامِذہ (شاگرد) ویسے ہیں جیسے اَسلاف میں گزرے یہاں تک میرے گھر کا کتا گلی سے گزرتا تو تعظیماً اس کے لئے کھڑے ہوتے بعض شوم بخت (بدنصیب) بھی ہیں۔ فقیر کو الحمد للہ ان سے شکوہ بھی نہیں ہاں ویسے ہی میں جیسے وہ ہیں۔

فقیر کا آزمودہ: اس بڑھاپے میں فقیر اپنے استاذ عالی قدر رحمۃ اللہ علیہ کے جوتے سیدھے کرنے لگا تو استاذ مکرّم نے منع فرمایا عرض کی حضور! یہ نقد سودا ہے جیسے کر رہا ہوں ویسے ہی میرے شاگرد میرے ساتھ کرتے ہیں۔

فَقَطْ وَالسَّلَام

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

بہاول پور۔ پاکستان

۹ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ عند اذان الظہر

---

[72] (تاريخ الخلفاء، الرشيد ابو جعفر، 213/1، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة: الطبعة الأولى: 1425هـ2004م)